جمال القرآن

مؤلفہ

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

مع

حاشیہ جدیدہ مفیدہ

مولانا محمد یامین رحمۃ اللہ علیہ

مکتبۃ البشریٰ

شعبہ نشر و اشاعت

چوہدری محمد علی چیریٹیبل ٹرسٹ (رجسٹرڈ) کراچی پاکستان

قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا. (المزمل: ٤)

ارشاد باری تعالیٰ ہے: اے رسول آپ قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر (با تجوید) پڑھا کریں۔

جمال القرآن

مؤلفہ

حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

۱۲۸۰ھ - ۱۳۶۲ھ

مع حاشیہ جدیدہ مفیدہ

مولانا محمد یامین صاحب غفرلہٗ

مکتبۃ البشریٰ

للطباعۃ والنشر

شعبہ نشر واشاعت

چودھری محمد علی چیریٹیبل ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

کراچی پاکستان

کتاب کا نام	:	جمال القرآن
مؤلف	:	حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ
تعداد صفحات	:	۴۸
قیمت برائے قارئین	:	=/۲۵ روپے
سن اشاعت	:	۱۴۲۹ھ/ ۲۰۰۸ء
اشاعت جدید	:	۱۴۳۲ھ/ ۲۰۱۱ء
ناشر	:	مکتبۃ البشریٰ
		چوہدری محمد علی چیریٹیبل ٹرسٹ (رجسٹرڈ)
		Z-3، اوورسیز بنگلوز، گلستان جوہر، کراچی۔ پاکستان
فون نمبر	:	+92-21-7740738، +92-21-34541739
فیکس نمبر	:	+92-21-4023113
ویب سائٹ	:	www.ibnabbasaisha.edu.pk
		www.maktaba-tul-bushra.com.pk
ای میل	:	al-bushra@cyber.net.pk
ملنے کا پتہ	:	مکتبة البشریٰ، کراچی۔ پاکستان 2196170-321-92+

مکتبة الحرمین، اردو بازار، لاہور۔ پاکستان 4399313-321-92+

المصباح، ۱۶- اردو بازار، لاہور۔ 7124656, 7223210-42-92+

بك لينڈ، سٹی پلازہ کالج روڈ، راولپنڈی۔ 5773341,5557926-51-92+

دار الإخلاص، نزد قصہ خوانی بازار، پشاور۔ پاکستان 2567539-91-92+

مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ، کوئٹہ۔ 2567539-91-92+

اور تمام مشہور کتب خانوں میں دستیاب ہے۔

فہرست کتاب

نمبر شمار		مضمون	صفحہ
۱	ابتدائیہ	حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ	۵
۲	تمہید	حضرت مولانا محمد یامین رحمۃ اللہ علیہ	۶
۳	پہلا لمعہ	تجوید کی تعریف	۷
۴	دوسرا لمعہ	تجوید کی ضرورت	۷
۵	تیسرا لمعہ	آدابِ تلاوت	۸
۶	چوتھا لمعہ	مخارجِ حروف	۸
۷	پانچواں لمعہ	صفاتِ حروف	۱۵
۸	چھٹا لمعہ	صفاتِ مُحسّنہ مُحلّیہ کے بیان میں	۲۲
۹	ساتواں لمعہ	لام کے قاعدوں میں	۲۳
۱۰	آٹھواں لمعہ	راء کے قاعدوں میں	۲۳
۱۱	نواں لمعہ	میم ساکن اور مشدّد کے قاعدوں میں	۲۷
۱۲	دسواں لمعہ	نون ساکن اور مشدّد کے قاعدوں میں	۲۹
۱۳	گیارہوں لمعہ	الف، واؤ اور یا کے قاعدوں میں	۳۲
۱۴	بارہواں لمعہ	ہمزہ کے قاعدوں میں	۳۷
۱۵	تیرہواں لمعہ	وقف کرنے یعنی کسی کلمہ پر ٹھہرنے کے قواعد میں	۳۷
۱۶	چودھواں لمعہ	فوائدِ متفرقہ ضروریہ کے بیان میں	۴۱
۱۷	خاتمہ		۴۵

مختصر حالاتِ مصنّف علیہ الرحمۃ

نام ونسب و پیدائش: اشرف علی ولد شیخ عبدالحق، ۵/ربیع الاول ۱۲۸۰ھ مطابق ستمبر ۱۸۶۳ء بروز بدھ ولادت باسعادت ہوئی۔

تعلیم وفراغت: ابتدائی فارسی کی تعلیم اور حفظ قرآن میرٹھ میں حاصل کیا۔ پھر تھانہ بھون آکر مولانا فتح محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے عربی اور فارسی کی متوسط کتابیں پڑھیں۔ نومبر ۱۲۹۵ھ/ ۱۸۷۸ء کو دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۳ء میں تمام علوم وفنون کی تکمیل فرما کر آپ کی فراغت ہوئی۔

مشہور اساتذۂ کرام: آپ کے اساتذہ میں مولانا منفعت علی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ، اور شیخ سید احمد دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے اساطینِ فضل وکمال شامل ہیں۔

خداداد صلاحیتیں اور عمدہ اَوصاف: مجددِ ملّت، حکیم الامت، پیرِ طریقت، رہبرِ شریعت حضرت علامہ اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے ان اکابر میں سے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل وکرم و انعامات سے نوازا۔ آپ بیک وقت فقیہ ومحدث بھی تھے، مفسرِ قرآن و مُقری بھی تھے، حکیم وواعظ بھی اور استاذ مُربّی بھی، اصلاحِ ظاہر و باطن کے حوالے سے آپ کی ذاتِ عالیہ اسلامیانِ برصغیر کے لیے ایک نعمتِ عظمیٰ تھی۔ اس کے ساتھ ہی آپ کو کثیر التصانیف ہونے کا شرف بھی حاصل ہے اور لطف یہ کہ آپ کی ہر تصنیف، علم و جواہر کا خزانہ اور لعل بیش بہا ہے، جس سے بے شمار لوگوں نے فائدہ اُٹھایا اور اُٹھاتے رہیں گے۔ آپ کے اوصاف وکمالات کو اگر ایک جماعت پر تقسیم کردیا جائے تو سب مالا مال ہوجائیں اور ان شاء اللہ آپ کا علمی وروحانی فیض تا قیامِ قیامت جاری ساری رہے گا۔

وفات وتدفین: آخر عمر میں کئی ماہ علیل رہ کر ۱۶/رجب المرجب ۱۳۶۲ھ/۲۰/جولائی ۱۹۴۳ء کی شب آپ رحلت فرماگئے۔ اور تھانہ بھون میں آپ ہی کے وقف کردہ زمین ''قبرستان عشق بازاں'' میں آپ کی تدفین ہوئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
رَبِّ يَسِّرْ وَلَا تُعَسِّرْ وَتَمِّمْ بِالْخَيْرِ.

ابتدائیہ

بعدالحمد والصلوۃ یہ چند اوراق ہیں ضروریات تجوید میں مسمّٰی بہ ''جمال القرآن'' اور اس کے مضامین کو ملقّب بہ ''لمعات'' کیا جائے گا۔ محبّی مکرّمی مولوی حکیم محمد یوسف صاحب، مہتمم مدرسہ قدوسیہ گنگوہ کی فرمائش پر کتب معتبرہ سے، خصوصاً رسالہ ''ہدیۃ الوحید'' مؤلفہ قاری مولوی عبدالوحید صاحب مدرس اوّل درجہ قرأت مدرسہ عالیہ دیوبند سے اخذ کر کے بہت آسان عبارت میں جس کو مبتدی بھی سمجھ لیں، لکھا گیا ہے، اور کہیں کہیں قرأت کے دوسرے رسالوں سے بھی کچھ لیا گیا ہے، وہاں ان رسالوں کا نام لکھ دیا ہے، اور کہیں اپنی یادداشت سے کچھ لکھا ہے، وہاں کوئی نشان بنانے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی، بس جہاں کسی کتاب کا نام نہ ہو وہ یا تو ''ہدیۃ الوحید'' کا مضمون ہے اگر اس میں موجود ہو، ورنہ احقر کا مضمون ہے۔

وباللّٰہ التّوفیق وھو خیر عون وخیر رفیق.

مشورۂ مفید: اوّل اس رسالہ کو خوب سمجھا کر پڑھائیں اور ہر شئے کی تعریف اور مخارج وصفات وغیرہ خوب یاد کرادیں، اس کے بعد رسالۂ تجوید القرآن نظم حفظ کرادیا جائے اور اگر فرصت کم ہو تو رسالۂ حق القرآن یاد کرادیا جائے۔ فقط

کتبہ

اشرف علی تھانوی امدادی حنفی چشتی عفی عنہ

تمہید

بعد الحمد و الصلوۃ عرض ہے کہ اگر چہ رسالہ جمال القرآن اس سے پیشتر مطبع بلالی ساڈھورہ و مطبع احمدی لکھنؤ و مطبع انتظامی کانپور وغیرہ میں طبع ہو کر شائع ہو چکا ہے، مگر بوجۂ عدمِ تکمیل بعض مضامین وعدمِ اہتمامِ تصحیح اس کے لیے حواشی کی ضرورت تھی۔ چنانچہ احقر نے اس کے مضامین کی توضیح و تکمیل اور اغلاط کی تصحیح کے لیے حواشی لکھے تھے، لیکن چونکہ عموماً حواشی کی طرف التفات کم ہوتا ہے اور اس صورت میں معتدبہ نفع کی توقع بہت کم تھی، اس لیے حسب ایماء وارشاد حضرت مؤلف علّام مدّ فیوضہم اس نااہل نے ان حواشی میں سے جو مضامین نہایت ضروری ادا کے متعلق تھے، ان کو رسالہ کا جز و بنا دیا اور جو مضامین بطور دلائل و توضیح کے تھے ان کو حواشی میں رکھ کر حضرت موصوف کی خدمت میں ملاحظہ کے لیے پیش کر دیا۔ حضرت ممدوح نے تصدیق و تحسین فرما کر طبع و اشاعت کی اجازت عطا فرمادی اور تکمیلِ مضامین کی مناسبت سے اب اس رسالہ کا لقب ''جمال القرآن مکمل'' تجویز فرمادیا۔ اگر قارئین باقتضائے بشریت کسی غلطی پر مطلع ہوں تو اس نااہل کی کم فہمی پر محمول فرما کر متنبہ فرمادیں، بعد تحقیق اس سے رجوع کر کے اِن شاء اللہ تعالیٰ اصلاح کر دی جائے گی، اور اگر کسی کو اصل عبارت (جو کہ تغیّر و تبدّل و اضافہ سے پہلے تھی) دیکھنے کی ضرورت ہو تو وہ مطابع مذکور کے مطبوعہ میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ والسلام

ہر کہ خواند دعا طمع دارم
زاں کہ من بندۂ گنہ گارم

کتبہ
احقر محمد یامین عفی عنہ

پہلا لمعہ
تجوید کی تعریف

تجوید کہتے ہیں ہر حرف کو اس کے مخرج سے نکالنا اور اس کی صفات کو ادا کرنا، اور اس علم کی حقیقت اسی قدر ہے، اور مخارج وصفات آگے آئیں گے چوتھے اور پانچویں لمعہ میں۔

دوسرا لمعہ
تجوید کی ضرورت

تجوید کے خلاف قرآن پڑھنا یا غلط پڑھنا یا بے قاعدہ پڑھنا لحن کہلاتا ہے۔ اور یہ دو قسم پر ہے: ایک یہ کہ ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف پڑھ دیا، جیسے: اَلْحَمْدُ کی جگہ اَلْھَمْدُ پڑھ دیا، ث کی جگہ س پڑھ دیا، یا ح کی جگہ ہ پڑھ دی، یا ذ کی جگہ ز پڑھ دی، یا ص کی جگہ س پڑھ دی، یا ع کی جگہ ء پڑھ دیا، ایسی غلطیوں میں اچھے خاصے لکھے پڑھے لوگ بھی مبتلا ہیں، یا کسی حرف کو بڑھا دیا، جیسے: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ میں د کے پیش کو اور ہ کے زیر کو اس طرح کھینچ کر پڑھا اَلْحَمْدُوْ لِلّٰھِیْ، یا کسی حرف کو گھٹا دیا، جیسے: لَمْ یُوْلَدْ میں و کو ظاہر نہ کیا، اس طرح پڑھا لَمْ یُلَدْ، یا زبر، زیر، پیش، جزم میں ایک کو دوسرے کی جگہ پڑھ دیا، جیسے: اِیَّاكَ کے ك کا زیر پڑھ دیا، یا اِھْدِنَا میں ہ سے پہلے اس طرح زبر پڑھ دیا اَھْدِنَا، یا اَنْعَمْتَ کی م پر اس طرح حرکت پڑھ دی اَنْعَمَتَ، یا اور اسی طرح سے کچھ پڑھ دیا۔ ان غلطیوں کو "لحن جلی" کہتے ہیں اور یہ حرام ہے۔ (حقیقة التجوید) اور بعض جگہ اس سے معنی بگڑ کر نماز بھی جاتی رہتی ہے۔ اور دوسری قسم یہ کہ ایسی غلطی تو نہیں کی، لیکن حرفوں کے حَسین ہونے کے جو قاعدے مقرر ہیں ان کے خلاف پڑھا، جیسے ر پر جب زبر یا پیش ہوتا ہے تو اس کو پُر یعنی مُنہ بھر کر پڑھا جاتا ہے، جیسے: اَلصِّرَاط کی ر، جیسا آٹھویں لمعہ میں آئے گا، مگر اس کو باریک پڑھ دیا، اس کو "لحن خفی" کہتے ہیں۔ یہ غلطی پہلی غلطی سے ہلکی ہے یعنی مکروہ ہے۔ (حقیقة التجوید) لیکن بچنا اس سے بھی ضروری ہے۔

تیسرالمعہ

آدابِ تلاوت

قرآن شریف شروع کرنے سے پہلے "اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ" پڑھنا ضروری[1] ہے اور "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" میں یہ تفصیل ہے کہ اگر سورت سے شروع کرے تو بِسْمِ اللّٰهِ ضروری ہے، اسی طرح اگر پڑھتے پڑھتے کوئی سورت بیچ میں شروع ہوگئی تب بھی بِسْمِ اللّٰهِ ضروری ہے، مگر اس دوسری صورت میں سورۂ براءۃ کے شروع میں نہ پڑھے، اور بعضے عالموں نے کہا ہے کہ پہلی صورت میں بھی سورۂ براءۃ پر بِسْمِ اللّٰهِ نہ پڑھے[2] اور اگر کسی سورت کے بیچ میں سے پڑھنا شروع کیا تو بِسْمِ اللّٰهِ پڑھ لینا بہتر ہے ضروری نہیں، لیکن اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اس حالت میں بھی ضروری ہے۔

چوتھالمعہ

مخارجِ حروف

جن موقعوں سے حروف[3] ادا ہوتے ہیں انکو "مخارج" کہتے ہیں اور یہ مخارج سترہ ہیں۔

مخرج ۱: جوفِ دہن یعنی منہ کے اندر کا خلا، اس سے یہ حروف نکلتے ہیں: و جب کہ ساکن ہو اور اس سے پہلے حرف پر پیش ہو، جیسے: اَلْمَغْضُوْبِ . ی جب کہ ساکن ہو اور اس سے پہلے زیر ہو، جیسے: نَسْتَعِيْنُ . ا جب کہ ساکن بے جھٹکے ہو اور اس سے پہلے زبر ہو، جیسے: صِرَاط . اور ساکن بے جھٹکے اس لیے کہا کہ زبر، زیر، پیش والا اور اسی طرح

---

[1] جمہور کا مذہب یہ ہے کہ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ پڑھنا مستحب ہے، کَمَا فِيْ بَعْضِ شُرُوْحِ الشَّاطِبِيَّة. (زینت الفرقان)

[2] چنانچہ "کتاب النشر" میں ہے: لَاخِلَافَ فِی حَذْفِ الْبَسْمَلَةِ بَيْنَ الْأَنْفَالِ وَبَرَاءَة عَنْ كُلِّ مَنْ بَسْمَلَ بَيْنَ السُّوْرَتَيْنِ وَكَذٰلِكَ فِي الْاِبْتِدَاءِ بِبَرَاءَة عَلَى الصَّحِيْحِ عِنْدَ أَهْلِ الْأَدَاءِ. (ابن ضیاء)

[3] جَمْعُ حَرْفٍ وَيُرِيْدُ حَرْفَ الْهِجَاءِ لَاحُرُوْفَ الْمَعْنٰى، وَهُوَ: صَوْتٌ مُعْتَمِدٌ عَلَى مَقْطَعٍ مُحَقَّقٍ أَوْ مُقَدَّرٍ وَيَخْتَصُّ بِالْإِنْسَانِ وَضْعاً كَمَا فِي شَرْحِ الْجَزَرِيَّة. (زینت الفرقان)

ساکن جھٹکے والا همزه ہوتا ہے، اگرچہ[1] عام لوگ اس کو بھی الف کہتے ہیں، جیسے: اَلْحَمْدُ کے شروع میں جو الف ہے یا بَأْسٌ کے بیچ میں جو الف ہے، یہ واقع میں همزه ہے، اور اس تمام کتاب میں ایسے دونوں اَلِفُوں کو همزه ہی کہا جائیگا، یاد رکھنا۔ اور جس الف اور جس واؤ اور جس یاء کا ابھی اوپر ذکر ہوا ہے ان کو ''حروفِ مدّہ'' اور ''حروفِ ہوائیہ'' بھی کہتے ہیں۔ پہلا نام اس لیے ہے کہ ان پر کبھی مد بھی ہوتا ہے۔ گیارہویں لمعہ کے بیان میں اسکا پورا حال معلوم ہوگا، اور دوسرا نام اس لیے ہے کہ یہ حروف ہوا[2] پر تمام ہوتے ہیں۔ اور جس واؤ ساکن سے پہلے زبر ہو اس کو ''واوَلین'' کہتے ہیں، جیسے: مِنْ خَوْفٍ اور جس یاءِ ساکن سے پہلے زبر ہو اس کو ''یاءِ لین'' کہتے ہیں، جیسے: وَالصَّيْفِ. پس واوَلین اور واوٴ متحرک کا مخرج آگے سولہویں مخرج کے بیان میں آئے گا اور یاءِ متحرک کا مخرج آگے ساتویں مخرج کے بیان میں آئے گا۔

مخرج ۲: اقصیٰ حلق یعنی حلق کا پچھلا حصّہ سینہ کی طرف والا، اس سے یہ حروف نکلتے ہیں: ء اور ه.

مخرج ۳: وسطِ حلق یعنی حلق کا درمیان والا حصّہ، اس سے یہ حروف نکلتے ہیں: ع اور ح (بے نقطہ والے)۔

مخرج ۴: ادنیٰ حلق یعنی حلق کا وہ حصّہ جو منہ کی طرف والا ہے، اس سے یہ حروف ادا ہوتے ہیں: غ اور خ (نقطہ والے)، اور ان چھ حرفوں کو ''حروفِ حلقی'' کہتے ہیں۔

مخرج ۵: لہات[3] یعنی کوّے کے متّصل زبان کی جڑ جب کہ اوپر کے تالو سے ٹکر کھائے، اس سے ق ادا ہوتا ہے۔

---

[1] متقدمین کی اصطلاح میں همزه کو الف بھی کہتے ہیں، کما في ''فتح الباری''. لہٰذا همزه کو الف کہنا غلط نہیں، گو متاخرین کی اصطلاح کے خلاف ہے۔ [2] ہوا سے، ہونٹوں سے حلق تک کا خلا و جوف مراد ہے۔ (زینت الفرقان) [3] بفتح اللام وہائے ہوز وآخر فوقانی، گوشت پارہ کہ شبیہ بزبان باشد واو درانتہائے کام آویختہ است کَمَا فِيْ ''حَاشِيَة مُنْتَخَبُ النَّفَائِس''.

مخرج ٦: "ق" کے مخرج کے متّصل ہی منہ کی جانب ذرا نیچے ہٹ کر، اس سے "ك" ادا ہوتا ہےاوران دونوں حرفوں کو"لہاتیہ" کہتے ہیں۔

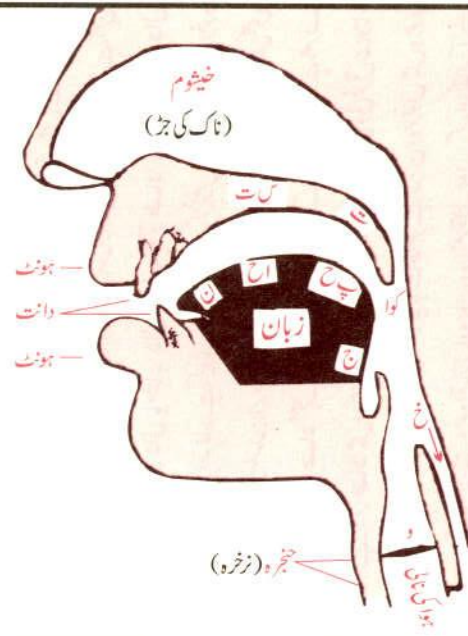
مخرج ۷: وسطِ زبان اوراس کے مقابل اوپر کا تالو ہے، اوراس سے یہ حروف ادا ہوتے ہیں: ج، ش، ی[۱] جب کہ مدّہ نہ ہو یعنی یائے متحرک اور یائے لین۔ اور مدّہ اور لین کے معنی مخرج (۱) کے ذیل میں بیان کیے گئے ہیں، ان کو"حروفِ شجریہ[۲]" کہتے ہیں۔

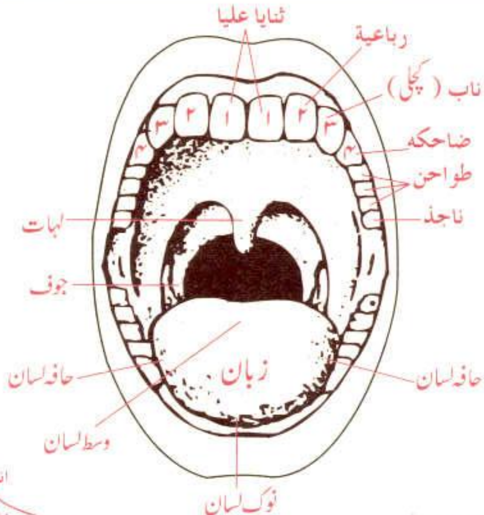
فائدہ: آگے جو مخارج آتے ہیں ان میں بعضے دانتوں کے نام عربی میں آئیں گے، اس واسطے پہلے اُنکے معنی بتلادیتا ہوں، انکو خوب یاد کرلیں تا کہ آگے سمجھنے میں دقّت نہ ہو۔

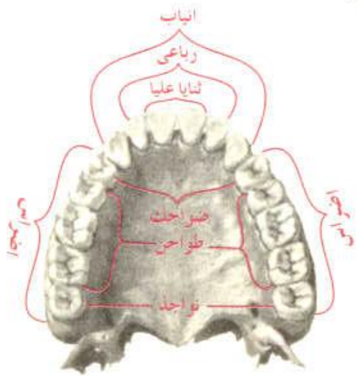
جاننا چاہیے کہ بتّیس میں سے سامنے کے چار دانتوں کو"ثنایا" کہتے ہیں، دو اوپر والوں کو"ثنایاعُلیا" اور دو نیچے والوں کو"ثنایاسُفلی" اور ان ثنایا کے پہلو میں چار دانت جو اِن سے ملے ہوئے ہیں، ان کو"رباعیات[۳]" اور"قواطع" بھی کہتے ہیں، پھر ان رباعیات سے ملے ہوئے چار دانت نوک دار ہیں، ان کو"انیاب[۴]" اور"کواسر" کہتے ہیں، پھر ان انیاب کے پاس چار دانت ہوتے ہیں، ان کو"ضواحک" کہتے ہیں، پھر ان ضواحک کے پہلو میں بارہ دانت اور ہیں، یعنی تین اوپر داہنی طرف اور تین اوپر بائیں طرف اور تین نیچے داہنی طرف اور تین نیچے بائیں طرف، ان کو"طواحن" کہتے ہیں، پھر ان طواحن کے بغل میں بالکل اخیر میں ہر جانب ایک ایک دانت اور ہوتا ہے، جن کو"نواجذ[۵]" کہتے ہیں، ان سب ضواحک، طواحن اور نواجذ کو"اَضراس" کہتے ہیں جن کو اردو میں"ڈاڑھ" کہتے ہیں۔ یاد کی آسانی کے لیے کسی نے ان سب ناموں کو نظم کردیا ہے، وہ نظم یہ ہے:

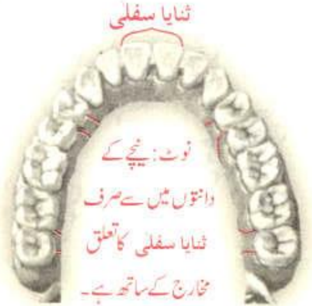
---

[۱] ان کا مجموعہ"جیش" ہے۔ (زینت الفرقان) [۲] لِخُرُوْجِهَا مِنْ شَجَرِ الْفَمِ بِسُكُوْنِ الْجِيْمِ وَهُوَ مُنْفَتَحُ مَابَيْنَ اللِّحْيَيْن. (حقیقۃ التجوید) [۳] یعنی اوپر کی جانب ایک دانت داہنی جانب اور دوسرا بائیں جانب ہے، اسی طرح نیچے کے جانب دو دانت ہیں۔ (زینت الفرقان) [۴] انیاب وضواحک میں بھی وہی تفصیل ہے جو حاشیہ نمبر ۳ میں گزری ہے۔ [۵] پس کُل نواجذ چار ہوئے۔ (زینت الفرقان)









ا	ح	زبان کا اگلا حصہ
پ	ح	زبان کا پچھلا حصہ
ج		زبان کی جڑ
و		آواز کے وتر (تار)

ت		نرم تالو
س	ت	سخت تالو
ن		زبان کی نوک
خ		خوراک کی نالی

ہے تعداد دانتوں کی کُل تیس اور دو ثنایا ہیں چار اور رباعی ہیں دو دو
ہیں انیاب چار اور باقی رہے بیس کہ کہتے ہیں قرّاء اضراس انہیں کو
ضواحک ہیں چار اور طواحن ہیں بارہ نواجذ بھی ہیں ان کے بازو میں دو دو

مخرج۸: ض کا ہے، اور وہ حافۂ لسان یعنی زبان کی کروٹ، داہنی یا بائیں سے نکلتا ہے، جب کہ اضراس علیا یعنی اوپر کی ڈاڑھ کی جڑ سے لگا دیں، اور بائیں طرف سے آسان ہے اور دونوں طرف سے ایک دفعہ میں نکالنا بھی صحیح ہے، مگر بہت مشکل ہے۔ اس حرف کو ''حافیہ'' کہتے ہیں۔ اس حرف میں اکثر لوگ بہت غلطی کرتے ہیں، اس لیے کسی مَشّاق قاری سے اس کی مشق کرنا ضروری ہے۔ اس حرف کو د پُر یا باریک یا د کے مشابہ جیسا کہ آج کل اکثر لوگوں کے پڑھنے کی عادت ہے، ایسا ہرگز نہیں پڑھنا چاہیے، یہ بالکل غلط ہے۔ اسی طرح خالی ظ پڑھنا بھی غلط ہے۔ البتہ اگر ض کو اُس کے صحیح مخرج سے صحیح طور پر نرمی کے ساتھ آواز کو جاری رکھ کر اور تمام صفات کا لحاظ کر کے ادا کیا جائے تو اسکی آواز سننے میں ظ کی آواز کے ساتھ بہت زیادہ مشابہ ہوتی ہے، د کے مشابہ بالکل نہیں ہوتی، علم تجوید و قرأت کی کتابوں میں اسی طرح لکھا ہے۔[1]

---

[1] علم تجوید و قرأت کی کتابوں میں بتصریح مذکور ہے کہ ظاء معجمہ کی طرح ضاد معجمہ حروفِ رخوہ میں سے ہے، جن کے ادا کرنے میں آواز کا سلسلہ بند نہیں ہوتا بلکہ آواز برابر جاری رہتی ہے، اور دال مہملہ حروفِ شدیدہ میں داخل ہے، جن کے ادا کرنے میں آواز بند ہو جاتی ہے۔ پس اگر ضاد کو دال یا مشابہِ دال پڑھا جائیگا تو ضاد رخوہ نہ رہیگا بلکہ دال کی طرح شدیدہ ہو کر آواز کا سلسلہ بند جائیگا، حالانکہ یہ سراسر غلط ہے، کیونکہ ضاد شدیدہ ہرگز نہیں بلکہ ظاء کی طرح رخوہ ہے۔ پس جس طرح کہ ظاء کے ادا کرنے میں آواز کا سلسلہ برابر جاری رہتا ہے اسی طرح ضاد کے ادا کرنے میں بھی آواز برابر جاری رہنا چاہیے، نیز صفت رخوت کے علاوہ ضاد معجمہ دیگر صفات میں ظاء کے ساتھ شریک ہے، صرف ایک صفت استطالت میں ظاء سے ممتاز ہے۔ اگر ضاد میں استطالت نہ ہوتی تو ضاد اور ظاء میں کوئی فرق نہ ہوتا، اور دال سے تمام صفات میں متمائز ہے بجز ایک صفت جہر کے۔ پس عقلاً یہ بات ظاہر ہے کہ جن دو حرفوں میں وجوہِ اشتراک زیادہ ہوں وہ متشابہ فی الصوت ہوں گے یا جن میں وجوہ امتیاز زیادہ ہوں وہ باہم متشابہ ہوں گے، اور نقلاً یہ کہ=

مخرج۹: ل کا ہے، کہ زبان کا کنارہ مع کچھ حصۂ حافہ جب ثنایا اور رباعی اور انیاب اور ضاحک کے مسوڑھوں سے کسی قدر مائل تالو کی طرف ہو کر ٹکر کھائے، خواہ داہنی طرف سے یا بائیں طرف سے، داہنی طرف سے آسان ہے اور دونوں طرف سے ایک دفعہ میں نکالنا بھی صحیح ہے۔

مخرج۱۰: ن کا ہے، اور وہ بھی زبان کا کنارہ ہے، مگر ل کے مخرج سے کم ہو کر، یعنی ضاحک کو اس میں دخل نہیں۔

مخرج۱۱: ر کا ہے، اور وہ ن کے مخرج کے قریب ہے، مگر اس میں پُشتِ زبان کو بھی دخل ہے۔ ان تینوں حرفوں کو یعنی ل، ن اور ر کو "طرفیہ" اور "ذلقیہ"[۱] بھی کہتے ہیں۔

مخرج۱۲: ط، د اور ت کا ہے، یعنی یہ زبان کی نوک اور ثنایا علیا کی جڑ۔ ان تینوں حرفوں کو "نِطعیہ"[۲] کہتے ہیں۔

مخرج۱۳: ظ، ذ اور ث کا ہے، اور وہ زبان کی نوک اور ثنایا علیا کا سرا ہے۔ ان تینوں حرفوں کو "لِثویہ"[۳] کہتے ہیں۔

= تجوید و قرأت و فقہ و تفسیر وغیرہ کی اکثر معتبر کتابوں سے ضاد کا مشابہ ظاء ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اس جگہ سب روایات کو نقل کرنے سے خوفِ تطویل مانع ہے۔ اور جو لوگ ضـــاد کو دال یا مشابہِ دال پڑھتے ہیں اُنکے پاس کسی معتبر کتاب کی ایک روایت بھی ایسی نہیں معلوم ہوتی جس سے صراحۃً یا کنایۃً ثابت ہو سکے کہ حرفِ ضـــاد کا تلفظ عینِ دال یا اس کے مشابہ ہے اور باقی جو لچر دلیلیں بیان کیا کرتے ہیں، مثلاً کسی بڑے عالم کا پڑھنا یا فقہاء کا ضـاد کی جگہ ظاء پڑھنے سے منع کرنا یا عمومِ بلویٰ اور اسی طرح کے دوسرے تمام شبہات کا جواب مع دلائل اثبات تشابہ بین الضاد والظاء رسالہ "الاقتـصاد في الضاد" مصنّفہ مولانا حکیم رحیم اللہ صاحب بجنوری سلمہٗ تلمیذِ رشید حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمہ اللہ میں مفصّل مذکور ہے، جس کو مطلوب ہو اس میں دیکھ لے، یہاں پر اس کے نقل کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ (محمد یامین)

[۱] لِخُرُوْجِهَا مِنْ ذَلَقِ اللِّسَان (بفتحتين طرف زبان- أي طرفه. حقيقة التجويد)

[۲] لِخُرُوجِهَا مِنْ نِطْعِ الغَارِ مِنَ الْحَنَكِ الأَعْلٰى أَيْ سَقْفِه. (حقيقة التجويد و درّة الفريد)

[۳] بالکسر و فتح ثانی و واؤ مسکورہ و یائے مشددہ مفتوحہ۔ (زینت الفرقان)

مخرج ۱۴: ص، ز اور س کا ہے۔ یہ زبان کا سرا اور ثنایا سفلی کا کنارہ مع کچھ اتصال ثنایا علیا کے ہے۔ ان کو "حروفِ صفیر"[۱] کہتے ہیں۔

مخرج ۱۵: ف کا ہے، اور یہ نیچے کے ہونٹ کا شکم اور ثنایا علیا کا کنارہ ہے۔

مخرج ۱۶: دونوں ہونٹ ہیں اور ان سے یہ حروف ادا ہوتے ہیں: ب، م اور و جب کہ مدّہ نہ ہوں، یعنی واؤ متحرک اور واؤ لین۔ اور مدّہ اور لین کے معنی مخرج (۱) کے ذیل میں بیان کیے گئے ہیں۔ مگر ان تینوں میں اتنا فرق ہے کہ ب ہونٹوں کی تری سے نکلتی ہے، اس لیے اس کو "بحری" کہتے ہیں اور م ہونٹوں کی خشکی سے نکلتی ہے، اس لیے اس کو "برّی" کہتے ہیں اور و دونوں ہونٹوں کے ناتمام ملنے سے نکلتا ہے۔ ف کو اور ان تینوں حرفوں کو "شفویّہ"[۲] کہتے ہیں۔

مخرج ۱۷: خیشوم یعنی ناک کا بانسہ ہے، اس سے غنّہ نکلتا ہے، غنّہ کا بیان آگے لمعہ (۹)، لمعہ (۱۰) میں ن اور م کے قاعدوں میں اِنْ شاء اللہ تعالیٰ آئے گا۔

اور جاننا چاہیے کہ ہر حرف کے مخرج معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اُس حرف[۳] کو ساکن کر کے اُس سے پہلے ہمزۂ متحرک لے آئے، جس جگہ آواز ختم ہو وہی اُس کا مخرج ہے۔

---

[۱] صفیر مُرغ یعنی چڑیا کی آواز کو کہتے ہیں، چونکہ ان حروف کی آواز مشابہ اس آواز کے ہوتی ہے، اس لیے ان کو حروف صفیر کہتے ہیں، کمافی نوادر الوصول۔ (زینت الفرقان)

[۲] بفتحتین وکسر سوم ویائے مشددہ مفتوحہ، وَ قَالَ فِي الصَّرَاح: والْحُرُوْفُ الشَّفَهِيَّةُ: البَاءُ والفَاء والمِيْمُ، ولاتقل شَفوية، وفِي الرَّضِي شَرْحِ الشافيه: شَفَوِيّة أو شَفَهِيَّة، و ذُكِرَ فِي الْقَامُوس الشَّفَهِيَّة فقط، وهو الصَّحِيْحُ عِنْدِي؛ فإن لامَ الشَّفَةَ هَاءٌ كما في الصراح والقاموس. (زينت القرقان)

[۳] اس میں یہ شرط ہے کہ یہ حرف صحیح طور سے ادا کیا جائے سو اس طریق سے مخرج معلوم ہوگا، كمـا فـي شـرح الجزرية. (زینت الفرقان)

پانچواں لمعہ
صفاتِ حروف

جن کیفیتوں سے حروف ادا ہوتے ہیں اُن کیفیتوں کو ''صفات'' کہتے ہیں اور وہ دو طرح کی ہیں: ایک وہ کہ اگر وہ صفت ادا نہ ہوتو وہ حرف ہی نہ رہے، ایسی صفت کو ''ذاتیہ'' اور ''لازمہ'' اور ''ممیّزہ''[1] اور ''مقومہ'' کہتے ہیں۔ اور ایک وہ کہ اگر وہ صفت ادا نہ ہوتو حرف تو وہی رہے مگر اس کا حسن و زینت نہ رہے، ایسی صفت کو ''محسّنہ، مزیّنہ، محلیّہ[2]، عارضیہ'' کہتے ہیں۔ پہلی قسم کی صفات سترہ ہیں:

(۱) ہَمْس[3]: (نرم اور ہلکی آواز) جن حرفوں میں یہ صفت پائی جائے ان کو ''مہموسہ'' کہتے ہیں۔ مطلب اس صفت کا یہ ہے کہ اُن حرفوں کے ادا کرنے کے وقت آواز مخرج میں ایسے ضعف کے ساتھ ٹھہرے کہ سانس جاری رہ سکے اور آواز میں ایک قسم کی پستی ہو، اور ایسے حروف دس ہیں، جن کا مجموعہ یہ ہے: فَحَثَّهُ[4] شَخْصٌ سَكَتَ.

(۲) جَہر: (زور سے کہنا) جن حرفوں میں یہ صفت پائی جائے ان کو ''مجہورہ'' کہتے ہیں۔ مطلب اس صفت کا یہ ہے کہ ان حروف کے ادا کرنے کے وقت آواز مخرج میں ایسی قوت کے ساتھ ٹھہرے کہ سانس کا جاری رہنا بند ہوجائے اور آواز میں ایک قسم کی بلندی ہو، اور مہموسہ کے سوا باقی سب حروف مجہورہ ہیں۔ جہر و ہمس دونوں صفتیں ایک دوسرے کے مقابل ہیں۔

(۳) شدّت: (سخت ہونا) جن حروف میں یہ صفت پائی جائے اُن کو ''شدیدہ'' کہتے ہیں۔ مطلب اس صفت کا یہ ہے کہ ان حرفوں کے ادا کرتے وقت آواز ان کے مخرج میں

---

[1] یعنی وہ صفت لازمہ جو مشتبہ الصوت یا متّحد فی المخرج حرفوں میں امتیاز دینے والی ہو اور جن صفاتِ لازمہ سے امتیاز نہ ہوان کو صفت لازمہ غیر ممیّزہ کہتے ہیں۔ (ابن ضیاء) [2] وَجْهُ التَّسْمِيَةِ بِهٖ أَنَّ هٰذِهِ الصِّفَاتِ فِي الْحُرُوفِ تَكُونُ لِخُصُوصِ الْمَحَلِّ دُوْنَ مَحَلٍّ اٰخر. [3] بالفتح نرم کردن آواز و آواز نرم۔ (زینت الفرقان)
[4] ترجمہ اش این است: پس ترغیب داد او را شخصیکہ ساکت شد۔

ایسی قوت کے ساتھ ٹھہرے کہ آواز بند ہوجائے اور آواز میں ایک قسم کی سختی ہو، اور ایسے حرف آٹھ ہیں، جن کا مجموعہ یہ ہے: اَجِدُكَ[1] قَطَبْتَ[2].

(۴) رِخوت[3]: (نرم ہونا) جن حرفوں میں یہ صفت پائی جائے اُن کو ''رخوہ[4]'' کہتے ہیں۔ مطلب اس صفت کا یہ ہے کہ ان حرفوں کے ادا کرتے وقت آواز اُن کے مخرج میں ایسے ضعف کے ساتھ ٹھہرے کہ آواز جاری رہے اور آواز میں ایک قسم کی نرمی ہو۔ شدیدہ اور متوسطہ کے سوا باقی سب حروف رخوہ ہیں اور متوسطہ کا بیان ابھی آتا ہے۔ ہمس اور جہر کی طرح شدّت اور رخوت بھی ایک دوسرے کے مقابل ہیں، اور ان دونوں صفتوں کے درمیان ایک صفت اور ہے۔

توسّط: (درمیان میں ہونا) جن حرفوں میں یہ صفت پائی جائے ان کو ''متوسطہ'' اور ''بینیہ'' کہتے ہیں۔ مطلب اس صفت کا یہ ہے کہ آواز اس میں نہ تو پوری طرح بند ہو اور نہ پوری جاری ہو۔ (حقیقة التجوید) ایسے حرف پانچ ہیں، جن کا مجموعہ یہ ہے: لِنْ[5] عُمَرُ۔ اور اس توسط کو الگ صفت نہیں گنا جاتا، کیونکہ اس میں کچھ شدّت کچھ رخوت ہے، پس یہ ان دونوں سے الگ نہ ہوئی۔ اس مقام پر ایک شبہ ہے، وہ یہ کہ حرف تاء اور کاف کو مہوسہ میں سے بھی شمار کیا ہے، حالانکہ ان میں آواز بند ہوجاتی ہے اور اسی واسطے ان کو شدیدہ میں شمار کیا گیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں حرف میں ہمس ضعیف ہے اور شدّت قوی ہے، سو شدّت[6] کے قوی ہونے سے تو آواز بند ہوجاتی ہے لیکن کسی قدر ہمس ہونے سے بعد بند ہونے کے کچھ تھوڑا سا سانس بھی

---

[1] ترجمہ اش این است: می یابم ترا کہ ترش روئی کردی۔ [2] من ضرب (زینت الفرقان)
[3] بالکسر سست شدن کمافی ص ۱۲۔ (زینت الفرقان) [4] سَهْلَة مُسْتَرْسَلَة كَمَا فِي ص ۱۲۔ (زینت الفرقان)
[5] ترجمہ اش این است: نرم شواے عمر [6] فِي جُهْدِ الْمُقِل: وَأَمَّا الشَّدِيْدُ الْمَهْمُوْسُ حَرْفَانِ: اَلْكَافُ وَالتَّاءُ فَيَشْتَدُّ صَوْتُهُمَا بِالْكُلِّيَةِ بَلْ نَفَسُهَا أَيْضًا؛ لِأَنَّ حَقِيْقَةَ الصَّوْتِ هِيَ النَّفَسُ ثُمَّ يَنْفَتِحُ مَخْرَجُهُمَا وَيَجْرِيْ فِيْهِمَا نَفَسٌ كَثِيْرٌ مَعَ صَوْتٍ ضَعِيْفٍ لِيَحْصُلَ الْهَمْسُ، وَفِيْهِ الشِّدَةُ فِيْ آنٍ وَالْهَمْسُ فِيْ زَمَانٍ آخَرَ، وَزَادَ فِيْ حَقِيْقَةِ التَّجْوِيْدِ: فَالْهَمْسُ فِيْ زَمَانٍ بَعْدَ آنٍ آه وَفِيْهِمَا، وَهٰذَا بَابٌ يَتَحَيَّرُ فِيْهِ الْأَلْبَابُ.

جاری ہوتا ہے، مگر اس سانس کے جاری ہونے میں یہ احتیاط رکھنی چاہیے کہ آواز جاری نہ ہو، کیونکہ اگر آواز جاری کی جائے گی تو کاف و تاء شدیدہ نہ رہیں گے، بلکہ رخوہ ہوجائیں گے، اور دوسرے اس میں ھاء کی آواز پیدا ہوکر غلط[۱] ہوجائے گا۔

(۵) اِستعلاء: (بلند ہونا) جن حرفوں میں یہ صفت پائی جائے ان کو "مستعلیہ" کہتے ہیں۔ مطلب اس صفت کا یہ ہے کہ ان حروف کے ادا کرنے کے وقت ہمیشہ جڑ زبان کی اوپر کے تالو کی طرف اُٹھ جاتی ہے، جس کی وجہ سے یہ حروف موٹے ہوجاتے ہیں اور ایسے حروف سات ہیں، جن کا مجموعہ یہ ہے: خُصَّ ضَغْطٍ[۲] قِظْ.

(۶) اِستِفال[۳]: (نیچے رہنا) جن حرفوں میں یہ صفات پائی جائیں انکو "مستفِلہ" کہتے ہیں۔ مطلب اس صفت کا یہ ہے کہ ان حروف کے ادا کرنے کے وقت زبان کی جڑ اوپر کے تالو کی طرف نہیں اُٹھتی، جس کی وجہ سے یہ حروف باریک رہتے ہیں۔ مستعلیہ کے سوا باقی سب حروف مستفلہ ہیں، اور یہ دونوں صفتیں استعلاء اور استفال بھی ایک دوسرے کے مقابل ہیں۔

---

[۱] بعض لوگ کاف و تاء میں سانس کے جاری کرنے میں اس قدر مبالغہ وغلو کرتے ہیں کہ صفتِ شدّت زائل ہوکر "ہائے ہوز" کی آواز پیدا ہوجاتی ہے اور کاف و تاء مخلوط بالہاء ہوجاتے ہیں۔ اَبْتَرُ کو اَبْتَھُر اور ثَقُلَتْ کو ثَقُلَتْه اور کَانَا کو کَھانَا اور ذِکْرَكَ کو ذِکْھرَ کْھهُ پڑھتے ہیں اور یہ سراسر غلط اور بے اصل اور تمام کتبِ تجوید وقرأت اور اداءِ محققین قراء کے خلاف ہے، بلکہ "کتاب النشر" علامہ جزری رحمہ اللہ اور "المنحُ الفِکْرِیَّه" ملاعلی قاری رحمہ اللہ اور "تحفۂ نذریہ" قاری عبدالرحمٰن پانی پتی رحمہ اللہ سے اس کی تردید وتغلیط ثابت ہوتی ہے، چنانچہ اس کی مفصل تحقیق مع جواب شبہات وتوجیہ ومطلب عبارت "جهد المقل رساله ضياء الشمس في أداء الهمس" مؤلفہ احقر میں مع تصدیق مولانا تھانوی مدفیوضہم ودیگر اساتذۂ فن مذکور ہے۔ فانظر فيها إن شئت۔ (محمد یامین)

[۲] بالفتح تنگ کردن کمافی م۔ فهو مصدر بمعنى اسم مفعول۔ (زینت الفرقان)

[۳] نَقِیْضُ اِعْتِلَاء کَمَا فِيْ تَاجِ الْمَصَادِرِ و اعْتِلَاء: بلند شدن وَجَاءَ مُتَعَدِّیاً اَیْضاً کَمَا فِيْ الصّراح وَفِيْ شَرْحِ الْجَزَرِیَّةِ: الانْخِفَاضُ. (زینت الفرقان)

(۷) اِطباق: (ملنا) جن حروف میں یہ صفت پائی جائے ان کو "مطبقہ[۱]" کہتے ہیں۔ مطلب اس صفت کا یہ ہے کہ ان حروف کے ادا کرنے کے وقت زبان کا بیچ اوپر کے تالو سے ملصق ہوجاتا ہے، یعنی لپٹ جاتا ہے اور ایسے حروف چار ہیں: ص، ض، ط، ظ.

(۸) اِنفتاح: (کُھلنا) جن حروف میں یہ صفت ہو اُن کو "مُنفتحہ" کہتے ہیں۔ مطلب اس صفت کا یہ ہے کہ ان حروف کے ادا کرنے کے وقت زبان کا بیچ اوپر کے تالو سے جدا رہتا ہے، خواہ زبان کی جڑ تالو سے لگ جائے، جیسے قاف میں لگ جاتی ہے، خواہ نہ لگے (جهد المقل مع الشرح) اور مطبقہ کے سوا سب حروف منفتحہ ہیں۔ اور یہ دونوں صفتیں اطباق و انفتاح بھی ایک دوسرے کے مقابل ہیں۔

(۹) اِذلاق[۲]: (پھسلنا) جن حروف میں یہ صفت پائی جائے انکو "مُذلقہ[۳]" کہتے ہیں۔ مطلب[۴] اس صفت کا یہ ہے کہ یہ حروف زبان اور ہونٹ کے کنارہ سے بہت سہولت کے ساتھ جلدی سے ادا ہوتے ہیں اور ایسے حروف چھ ہیں، جن کا مجموعہ یہ ہے: فَرَّمِنْ[۵] لُبِّ ۔ یعنی اُن میں جو حروف شفویہ ہیں وہ ہونٹ کے کنارے سے ادا ہوتے ہیں۔ شفویہ کا مطلب مخرج (۱۶) میں گزرا ہے، اور جو شفویہ نہیں وہ زبان کے کنارے سے ادا ہوتے ہیں۔ (درة الفريد للشيخ الدهلوي رحمه الله)

(۱۰) اِصمات[۶]: (خاموش کرنا) جن حروف میں یہ صفت پائی جائے ان کو "مصمتہ[۷]"

---

[۱] بکسر باء وفتح آں كَمَافِي نَوَادِرِ الْوُصُول وَذُكِرَ فِي الصَّرَاحِ الثَّانِي فَقَط. وملصق بفتح صاد وبکسر آں لازم ومتعدی آمدہ كمافي اللغة. (زینت الفرقان) [۲] والذَّلَقُ فِي اللُّغَةِ: الطَّرفُ.

[۳] مُذْلَقَة اِسْمِ الْمَفْعُول. (زینت الفرقان) [۴] ذلاقت لغت میں عبارت ہے فصاحت اور خفت کلام سے اور چونکہ یہ حروف سُبکی اور سرعت سے ادا ہوتے ہیں اسلیے اسکو مذلقہ کہاجاتا ہے كَمَافِي الصَّرَاحِ وغيره. (زینت الفرقان)

[۵] ترجمہ این ست: گریخت از عقل۔ [۶] فِي حَقِيْقَةِ التَّجْوِيْد: الْاِصْمَاتُ لُغَةً: الْمَنْعُ مُطْلَقًا وَاصْطِلَاحاً: اِمْتِنَاعُ الْكَلِمَةِ الرُّبَاعِيَّةِ وَالْخُمَاسِيَّةِ مِنْ غَيْرِ حَرْفٍ مِّنَ الْمُذْلَقَةِ، فَالْعَسجُدُ عَجمِيٌّ اِسْمٌ لِلذَّهَبِ وَلَيْسَ بِعَرَبِيٍّ.

[۷] بِفَتْحِ مِيْمٍ ثَانٍ كَذَا فِي نَوَادِرِ الْوُصُول. (زینت الفرقان)

کہتے ہیں۔ مطلب اس صفت کا یہ[1] ہے کہ یہ حروف اپنے مخرج سے مضبوطی اور جماؤ کے ساتھ ادا ہوتے ہیں، آسانی اور جلدی سے ادا نہیں ہوتے۔ اور مذلقہ کے سوا سب حروف مصمتہ ہیں۔ یہ دونوں صفتیں اذلاق واصمات بھی ایک دوسرے کے مقابل ہیں۔

ان دس صفات کو ''صفاتِ متضادہ'' کہتے ہیں کیونکہ یہ ایک دوسرے کی ضد یعنی مقابل ہیں، جیسا کہ اوپر بتلاتا گیا ہوں۔ آگے جو صفات آتی ہیں وہ ''صفاتِ غیر متضادہ'' کہلاتی ہیں۔ اور جاننا چاہیے کہ صفات متضادہ سے تو کوئی حرف بچا ہوا نہیں رہتا، بلکہ جتنے حروف ہیں ہر حرف پر مقابل والے صفتوں میں سے کوئی نہ کوئی صفت صادق آئے گی۔ اور صفات غیر متضادہ بعض حروف میں ہوں گی بعض میں نہ ہوں گی اور وہ صفات غیر متضادہ یہ ہیں۔

(۱۱) صَفِیر: (سیٹی) جن حروف میں یہ صفت پائی جائے اُن کو ''صفیریہ'' کہتے ہیں۔ مطلب اس صفت کا یہ ہے کہ اُن کے ادا کے وقت ایک آواز تیز مثل سیٹی کے نکلتی ہے اور ایسے حروف تین ہیں: ص، ز، س۔

(۱۲) قَلْقَلَہ[2]: (حرکت دینا) جن حروف میں یہ صفت پائی جائے اُن کو ''حروفِ قَلْقَلَہ'' کہتے ہیں۔ مطلب اس صفت کا یہ ہے کہ حالتِ سکون میں ادا کے وقت مخرج کو حرکت ہو جاتی ہے۔ ایسے حروف پانچ ہیں جن کا مجموعہ قُطُبُ[3] جَدٍّ[4] ہے۔

(۱۳) لِین[5]: (نرم ہونا) جن حروف میں یہ صفت پائی جائے اُن کو ''حروفِ لین'' کہتے ہیں۔ مطلب اس صفت کا یہ ہے کہ ان کو مخرج سے ایسی نرمی کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے کہ اگر

---

[1] مصمتہ لغت میں بے جوف چیز کو کہتے ہیں، پس لامحالہ وہ ثقیل ہوگی اور یہ حروف بہ نسبت ذلقیہ کے ثقیل ہیں، کمافی نوادر الوصول اور باعتبار مضادت مذلقہ یہ قول مناسب ہے۔ (زینت الفرقان) [2] درلغت عبارت است ازجنبش وحرکت کذافی نوادر الوصول۔ (زینت الفرقان) [3] مجموعہ ان کا اس شعر میں ہے۔

باء و جیم و طاء و دال و قاف کو   جب ہوں ساکن قلقلہ کرکے پڑھو

[4] یعنی مدار بزرگی۔ [5] بالکسر نرمی ضد خشونت کمافی م۔ (زینت الفرقان)

کوئی ان پر مد کرنا چاہے تو کر سکے۔ اور ایسے حروف دو ہیں: واؤ ساکن، اور یائے ساکن جب کہ ان سے پہلے والے حرف پر فتحہ یعنی زبر ہو، جیسے: خَوْفٌ، صَيْفٌ.

(۱۴) اِنحراف: (ہٹنا) جن حروف میں یہ صفت پائی جائے اُن کو "منحرفہ" کہتے ہیں۔ اور وہ دو حرف ہیں: "ل" اور "ر" مطلب اس صفت کا یہ ہے کہ ان کے ادا کے وقت "ل" میں تو زبان کے کنارے کی طرف اور "ر" میں کچھ زبان کی پشت کی طرف اور کچھ "ل" کے موقع کی طرف میلان پایا جائے۔ (درة الفريد)

(۱۵) تکریر: (دہرا کرنا) یہ صفت صرف "ر" میں پائی جاتی ہے۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ چونکہ اس کے ادا کرنے کے وقت زبان میں ایک رَعشہ یعنی لرزہ ہوتا ہے اس لیے اس وقت آواز میں تکرار کی مشابہت ہوجاتی ہے۔ اور یہ مطلب نہیں کہ اس میں تکرار ظاہر کیا جائے، بلکہ اُس سے بچنا چاہیے، اگر چہ اس پر تشدید بھی ہو، کیونکہ وہ پھر بھی ایک ہی حرف ہے، کئی حرف تو نہیں ہیں۔ (درة الفريد ملخصاً)

(۱۶) تَفَشِّی[۱]: (پھیلنا) یہ صفت صرف ش کی ہے۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ اس کے ادا میں آواز منہ کے اندر پھیل جاتی ہے۔ (درة الفريد)

(۱۷) اِستطالت[۲]: (دراز کرنا) یہ صفت صرف ض کی ہے۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ اس کے ادا میں شروعِ مخرج سے آخر تک یعنی حافۂ زبان کے شروع سے حافۂ زبان کے آخر تک آواز کو امتداد رہتا ہے۔ یعنی اس کا مخرج جتنا طویل ہے پورے مخرج میں آواز جاری رہنے سے آواز بھی طویل ہوجاتی ہے۔ (جهد المقل)

فائدہ ا: اگر کسی کو شبہ ہو کہ یہ سات صفات جو اخیر کی ہیں، جن حروف میں یہ صفات نہ ہوں اُن میں ان کی ضد ضرور ہوگی، مثلاً ض میں استطالت ہے تو باقی سب حروف میں

---

[۱] هُوَلُغَةً: الانْبِثَاثُ كَذَا فِي شَرْحِ الْجَزَرِيه. (زينت الفرقان) [۲] درازشدن كما في م۔

عدمِ استطالت ہوگی، تو یہ دونوں ضد مل کر بھی سب کو شامل ہوگئیں، پھر صفاتِ متضادہ و غیر متضادہ میں کیا فرق رہا؟ جواب اس کا یہ ہے کہ یہ تو صحیح ہے، مگر صفاتِ متضادہ میں ہر صفت کی ضد کا کچھ نہ کچھ نام بھی تھا۔ اوران دونوں ناموں میں سے ہر حرف پر کوئی نہ کوئی نام صادق آتا تھا، اور چونکہ یہاں ضد کا نام نہیں، اس لیے اس ضد کے صادق آنے کا اعتبار نہیں کیا گیا، دونوں صفات میں یہ فرق ہوا۔

فائدہ ۲: محض مخارج وصفاتِ حروف کو دیکھ کر اپنے ادا کے صحیح ہونے کا یقین نہ کر بیٹھے، اس میں ماہر مَشّاق استاذ کی ضرورت ہے، البتہ جب تک ایسا استاذ میسّر نہ ہو بالکل کورا ہونے سے کتابوں ہی سے کام چلانا غنیمت ہے۔

فائدہ ۳: اس لمعہ کے شروع میں صفتِ لازمہ ذاتیہ کی تعریف میں لکھا گیا ہے کہ اگر وہ صفت ادا نہ ہو تو وہ حرف ہی نہ رہے۔ یہ حرف نہ رہنا کئی طرح ہے: ایک یہ کہ دوسرا حرف ہوجائے، ایک یہ کہ رہے تو وہی مگر اس میں کچھ کمی اور نقصان آجائے، ایک یہ کہ وہ کوئی عربی حرف نہ رہے، کوئی حرفِ مخترع ہوجائے۔ اور یہی حال ہے صحیح مخارج سے نہ نکالنے کا، کہ کبھی دوسرا حرف ہوجاتا ہے، کبھی اس حرف میں کچھ کمی ہوجاتی ہے، کبھی بالکل ہی حرفِ مخترع بن جاتا ہے۔ چونکہ ایسی غلطی سے بعض دفعہ نماز جاتی رہتی ہے، اس لیے اگر ایسی غلطی ہوجائے تو خاص اس موقع سے اطلاع دے کر کسی معتبر عالم سے مسئلہ پوچھ لینا ضروری ہے، اسی طرح زبر زیر یا گھٹاؤ بڑھاؤ کی غلطیوں کا یہی حکم ہے، جس کی مثالیں لمعہ ۲ میں مذکور ہیں، ان کو بھی کسی عالم سے پوچھ لیا کریں۔

فائدہ ۴: حروف کے مخارج اور صفاتِ لازمہ میں کوتاہی ہونے سے جو غلطیاں ہوتی ہیں، فنِّ تجوید کا اصلی مقصد اُن ہی غلطیوں سے بچنا ہے، اسی واسطے مخارج اور صفات کا بیان سب قاعدوں سے مقدّم کیا گیا ہے، اب آگے جو صفاتِ مُحَسِّنہ کے متعلق قاعدے آئینگے

وہ اس مقصودِ مذکور سے دوسرے درجہ پر ہیں، لیکن اب عام طور سے ان دوسرے درجہ کے قاعدوں کی رعایت اس اصلی مقصود سے زیادہ کی جاتی ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ ان قاعدوں سے نغمہ خوشنما ہو جاتا ہے، اور لوگ نغمہ ہی کا زیادہ خیال کرتے ہیں، اور مخارج وصفاتِ لازمہ کو نغمہ میں کوئی دخل نہیں، اس لیے اس کی طرف توجہ کم کرتے ہیں۔

فائدہ۵: جس طرح یہ بے پروائی کی بات ہے کہ تجوید میں کوشش نہ کرے اسی طرح یہ بھی زیادتی ہے کہ تھوڑے سے قاعدے یاد کر کے اپنے کو کامل سمجھنے لگے اور دوسروں کو حقیر، اور ان کی نماز کو فاسد جاننے لگے یا کسی کے پیچھے نماز ہی نہ پڑھے، محقّق عالموں نے عام مسلمانوں کے گناہ گار[۱] ہونے کا، اور اُن کی نمازوں کے درست نہ ہونے کا حکم نہیں کیا، اس میں اعتدال کا درجہ قائم کرنا اُن علماء کا کام ہے جو قرأت کو ضروری قرار دینے کے ساتھ فقہ اور حدیث پر نظر رکھتے ہیں، اس مسئلہ کی تحقیق دوسرے لمعہ میں دیکھ لو۔

چھٹا لمعہ
صفاتِ مُحسّنہ مُحلّیہ کے بیان میں

جاننا چاہیے کہ یہ صفات سب حرفوں میں نہیں ہوتیں۔ صرف آٹھ حرف ہیں جن میں مختلف حالتوں میں مختلف صفات کی رعایت ہوتی ہے۔ وہ حروف[۲] یہ ہیں: (۱) ل (۲) ر (۳) م ساکن ومشدّد۔ (۴) ن ساکن ومشدّد۔ اور نون ساکن میں تنوین بھی داخل ہے، کیونکہ وہ اگرچہ لکھنے میں نون نہیں ہے، مگر پڑھنے میں نون ہے۔ جیسے: بٌ پر اگر دوزبر پڑھو تو ایسا ہوگا۔ جیسے: بَـــنْ پڑھو۔ (۵) ا جس سے پہلے ہمیشہ زبر ہی ہوتا ہے۔ (۶) و ساکن جب کہ اس سے پہلے پیش یا زبر ہو۔ (۷) ی ساکن جب کہ اس سے پہلے زیر یا زبر ہو۔ دیکھو لمعہ (۴)

[۱] گناہ گار نہ ہونا اور نماز کا درست ہونا اس صورت میں ہے جب کہ لحن جلی نہ ہو، جیسا کہ دوسرے لمعہ کے مضمون سے مستفاد ہے۔ (زینت) [۲] ان آٹھوں حرفوں کا مجموعہ اَوْیَرْمَلَانَ ہے۔ (زینت)

مخرج (ا)۔ (۸) ء اور ھمزہ کی حقیقت مخرج اوّل میں بیان کی گئی ہے، پھر دیکھ لو۔ اوران حرفوں میں جوایسی صفات ہوتی ہیں ان میں بعض صفات تو خود استاذ کے پڑھانے ہی سے ادا ہوجاتی ہیں، اس کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ مثلاً الف، واؤ، یاء اور ھمزہ کا کہیں ثابت رہنا اور کہیں حذف ہوجانا، صرف ان صفات کو بیان کیا جاتا ہے جو پڑھانے سے سمجھ میں نہیں آتیں، خود ارادہ کرنا پڑتا ہے۔ جیسے پُر پڑھنا اور باریک پڑھنا، غنّہ کرنا یا نہ کرنا اور مدّ کرنا یا نہ کرنا۔ اب ان آٹھوں حرفوں کے قاعدے الگ الگ مذکور ہوتے ہیں۔

ساتواں لمعہ
لام کے قاعدوں میں

لفظِ اللّٰہ کا جو لام ہے اس سے پہلے اگر زبر والا یا پیش والا حرف ہوتو اس کو پُر کر کے پڑھیں گے، جیسے: أَرَادَ اللّٰهُ، رَفَعَهُ اللّٰهُ، اور اس پُر کرنے کو "تفخیم" کہتے ہیں۔ اور اگر اس سے پہلے زیر والا حرف ہوتو اس لام کو باریک پڑھیں گے، جیسے: بِسْمِ اللّٰهِ، اور اس باریک پڑھنے کو "ترقیق" کہتے ہیں، اور لفظِ اللہ کے سوا جتنے لام ہیں، سب باریک[1] پڑھے جائیں گے، جیسے: مَاوَلّٰهُمْ اور کُلَّه.

تنبیہ: اَللّٰهُمَّ میں بھی یہی قاعدہ ہے جو اَللّٰهُ میں ہے کیونکہ اس کے اوّل میں بھی لفظ اَللّٰهُ ہے۔

آٹھواں لمعہ
راء کے قاعدوں میں

قاعدہ ۱: اگر راء پر زبر یا پیش ہوتو اس راء کو تفخیم سے یعنی پُر پڑھیں گے، جیسے: رَبُّكَ، رُبَمَا. اگر راء پر زیر ہوتو اُسکو ترقیق سے یعنی باریک پڑھیں گے، جیسے: رِجَالٌ.

[1] عِنْدَ حَفْصٍ الَّذِيْ نَقْرَءُ بِقِرَاءَتِه.

تنبیہ: راء مشدّدہ بھی ایک راء ہے، پس خود اس کی حرکت کا اعتبار کرکے اس کو پُر یا باریک پڑھیں گے، جیسے: سِــرّاً کی راء کو پُر پڑھیں گے اور دُرِّیٌّ کی راء کو باریک، اور اس کو اگلے قاعدہ (۲) میں داخل نہ کہیں گے، جیسے بعضے ناواقف اس کو دو راء سمجھتے ہیں، پہلی ساکن اور دوسری متحرک، یہ غلطی ہے۔

قاعدہ۲: اور اگر راء[1] ساکن ہو تو اس سے پہلے والے حرف کو دیکھو کہ اس پر کیا حرکت ہے۔ اگر زبر یا پیش ہو تو اس را کو پُر پڑھیں گے، جیسے: بَـرْقٌ، یُـرْزَقُوْنَ. اور اگر زیر ہے تو اس راء کو باریک پڑھیں گے، جیسے: اَنْـذِرْهُمْ. لیکن ایسی راء کے باریک ہونے کی تین شرطیں ہیں: پہلی شرط یہ ہے کہ یہ کسرہ اصلی ہو عارضی نہ ہو، کیونکہ اگر عارضی ہوگا تو پھر یہ راء باریک نہ ہوگی، جیسے: اِرْجِعُوْا. دیکھو راء ساکن بھی ہے اور اس سے پہلے حرف یعنی ہمزہ پر زیر بھی ہے، مگر چونکہ یہ زیر عارضی[2] ہے اسلیے اس راء کو پُر پڑھیں[3] گے، لیکن بدون عربی پڑھے ہوئے اسکی پہچان نہیں ہوسکتی کہ کسرہ یعنی زیر اصلی کہاں ہے اور عارضی کہاں ہے، جہاں جہاں شبہ ہو کسی عربی پڑھے ہوئے سے پوچھ کر اس قاعدے پر عمل کرے۔
دوسری شرط[4] یہ ہے کہ یہ کسرہ اور یہ راء دونوں ایک کلمہ میں ہوں، اگر دو کلمے میں ہونگے تو بھی راء باریک نہ ہوگی، جیسے: رَبِّ ارْجِعُوْنِ، اَمِ[5] ارْتَابُوْا. (درة الفرید)

---

[1] خواہ راء کا سکون اصلی ہو یا عارضی، جیسے: دُسُرْ پر وقف کریں تو راء کا سکون عارضی ہوگا اور راء پُر پڑھی جائے گی، کیونکہ اس کے ماقبل ضمہ ہے۔ (محمد یامین) [2] لِـدَفْـعِ تَـعَـذُّرِ الْاِبْتِـدَاءِ بِالسُّكُوْنِ. [3] لِاَنَّ الْاَصْـلَ فِي الـرَّاءِ تَفْخِيْمٌ كَمَا أَنَّ الْأَصْلَ فِي اللَّامِ التَّرْقِيْقُ. [وَالـدَّلِيْلُ عَلَيْهِ تَاْدِيَةُ اَهْلِ اللِّسَانِ لِهٰذِهِ الْحُرُوْفِ، كَـذٰلِكَ قَـالَـهُ الْمُؤَلِّفُ الْعَلَّامُ. (زینت الفرقان)] [4] وَبَـعْـضُـهُـمْ عَبَّـرَ عَـنْ هٰذَا الشَّرْطِ بِأَنْ تَكُوْنَ الْكَسْرَةُ مُتَّصِلَةً بِالرَّاءِ، وَبَعْضُهُمْ كَجُهْدِ الْمُقِلِّ بِأَنْ تَكُوْنَ الْكَسْرَةُ مُتَّصِلَةً بِالرَّاءِ فِيْ كَلِمَةٍ وَّاحِدَةٍ، وَبَعْضُهُمْ اِكْتَفٰى بِكَوْنِ الْكَسْرَةِ غَيْرَ عَارِضَةٍ، وَالْكُلُّ عِبَارَاتٌ عَنِ الْمُعْنُوْنِ.
[5] وَكَسْرَةُ الْمِيْمِ عَارِضٌ أَيْضاً لِاجْتِمَاعِ السَّاكِنَيْنِ فَتَفْخَمُ هٰذِهِ الرَّاءُ لِفَقْدِ الشَّرْطَيْنِ: هٰذَا وَالْأَوَّلِ.

اور اس شرط کا پہچاننا بہ نسبت پہلی شرط کے آسان ہے، کیونکہ کلموں کا ایک یا دو ہونا اکثر ہر شخص کو معلوم ہو جاتا ہے۔ تیسری شرط یہ ہے کہ اُس راء کے بعد اُسی کلمہ میں حروفِ مستعلیہ میں سے کوئی حرف نہ ہو، اگر ایسا ہوگا تو پھر راء کو پُر پڑھیں گے۔ ایسے حرف سات ہیں جن کا بیان لمعہ (۵) کی صفت (۵) میں آچکا ہے، جیسے: قِـرْطَـاسٍ، اِرْصَـاداً، فِرْقَةٍ، لَبِالْمِرْصَادِ. ان سب میں راء کو پُر پڑھیں گے اور تمام قرآن میں اس قاعدے کے یہی چار لفظ پائے جاتے ہیں اور ویسے بھی اس کا پہچاننا آسان ہے۔

تنبیہ ۱: تیسری شرط کے موافق لفظ کل فرق کی راء میں بھی تفخیم ہوگی، لیکن چونکہ قاف پر بھی زیر ہے[۱] اسلیے بعض قاریوں کے نزدیک اس میں ترقیق ہے اور دونوں امر جائز ہیں۔

تنبیہ ۲: تیسری شرط میں جو یہ لکھا ہے کہ اگر ایسی راء کے بعد اسی کلمہ میں حروفِ مستعیلہ میں سے کوئی حرف ہوگا تو اس کو پُر پڑھیں گے تو اسی کلمہ کی قید اس لیے لگائی کہ دوسرے کلمہ میں حروفِ مستعیلہ کے ہونے کا اعتبار نہ کریں گے، جیسے: اَنْـذِرْ قَـوْمَكَ، فَـاصْبِـرْ صَبْرًا. اس میں راء کو باریک ہی پڑھیں گے۔

قاعدہ ۳: اور اگر راء ساکن سے پہلے والے حرف پر حرکت نہ ہو، وہ بھی ساکن ہو (اور ایسا حالتِ[۲] وقف میں ہوتا ہے، جیسا ابھی مثالوں میں دیکھو گے) تو پھر اس حرف سے پہلے والے حرف کو دیکھو، اگر اُس پر زبر یا پیش ہو تو راء کو پُر پڑھو، جیسے: لَيْلَةُ الْقَدْرِ، بِكُمُ الْعُسْرَ کہ ان میں راء بھی ساکن اور دال اور سین بھی ساکن اور قاف پر زبر اور عیـن پر پیش ہے، اس لیے ان دونوں کلموں کی راء کو پُر پڑھیں گے، اور اگر اس پر زیر ہے تو راء کو باریک پڑھو، جیسے: ذِی الذِّكْرِ. کہ راء بھی ساکن اور کاف بھی

[۱] اور اس وجہ سے راء دو کسروں کے درمیان ہو کر ضعیف ہوگئی، پس ترقیق جائز رکھی گئی۔ كَمَا فِي شَرْحِ الْجَزَرِيَّة.
[۲] جب کہ وقف بالإسكان یا بالإشمام ہو۔ (محمد یامین)

ساکن اور ذال پر زیر ہے، اس لیے اس راء کو باریک پڑھیں گے۔

تنبیہ ۱: لیکن اس راء ساکن سے پہلے جو حرف ساکن ہے، اگر یہ حرفِ ساکن یاء ہو تو پھر یاء سے پہلے والے حرف کو مت دیکھو، بس راء کو ہر حال میں باریک پڑھو، خواہ یاء سے پہلے کچھ ہی حرکت ہو، جیسے: خَيْر ، قَدِيْر کہ ان دونوں راء کو باریک ہی پڑھیں گے۔

تنبیہ ۲: اس قاعدہ (۲) کے موافق لفظ مِصْرَ اور عَيْنَ الْقِطْرِ پر جب وقف کیا جائے تو راء کو باریک ہونا چاہیے، مگر قاریوں [۱] نے ان دونوں لفظوں کی راء کو باریک اور پُر دونوں طرح پڑھا ہے اور اسی لیے دونوں طرح پڑھنا جائز ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ خود راء پر جو حرکت ہو اس کا اعتبار کیا جائے، پس مِصْرَ میں تفخیم اولیٰ ہے کہ راء پر زبر ہے اور الْقِطْرِ میں ترقیق اولیٰ ہے کہ راء پر زیر ہے۔

تنبیہ ۳: اس قاعدہ (۳) کی بنا پر سورۃ الفجر میں اِذَا يَسْرِ پر جب وقف ہو اس کی راء مفخم ہونا چاہیے، لیکن بعضے قاریوں نے اس کے باریک [۲] پڑھنے کو اولیٰ لکھا ہے، مگر یہ روایت ضعیف ہے، اس لیے اس راء کو قاعدۂ مذکورہ کے موافق پُر ہی پڑھنا چاہیے۔ [۳]

قاعدہ ۴: راء کے بعد ایک جگہ قرآن مجید میں امالہ ہے، تو راء کی اس حرکت کو زیر سمجھ کر راء کو باریک پڑھیں اور وہ جگہ یہ ہے: بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا [۴]، اس راء کو ایسا پڑھیں گے، جیسا لفظ قطرے کی راء کو پڑھتے ہیں، امالہ اسی کو کہتے ہیں جسکو فارسی والے یائے مجہول [۵]

---

۱ بطریق جزری رحمہ اللہ (ابن ضیاء) ۲ لِأَنَّ أَصْلَهُ يَسْرِيُ فَرَقَقُوا الرَّاءَ؛ لِيَدُلَّ عَلَى الْيَاءِ الْمَحْذُوفَةِ.

۳ کیونکہ قراء محققین مثل علامہ جزری و شاطبی اور شرح مقدمة الجزرية والشاطبية وجهد المقل وغیرہ سے اس کی ترقیق ثابت نہیں ہے، بلکہ غيث النفع میں اس کے پُر ہی پڑھے جانے کی تصریح ہے۔ حیث قال: وَمَنْ وَقَفَ بِغَيْرِ يَاءٍ فَخَّمَ الرَّاءَ الخ اور یہی قاعدہ علامہ شاطبی رحمہ اللہ وغیرہ کے موافق ہے۔ (محمد یامین) ۴ هُوَ فِي الْأَصْلِ مَجْرَاهَا بِالْأَلِفِ فَأُمِيْلَتْ. ۵ دراصل یائے مجہول ہوتی نہیں اس لیے کہ یائے مجہول ہونے کے لیے کلمے میں یائے مدہ ہونا شرط ہے، اور کلمہ مجرٖىها میں الف ہے اس کو یاء کی طرف مائل کیا جاتا ہے۔ (ابن ضیاء)

کہتے ہیں۔ پس مَجْرِیھَا کی راء کو باریک پڑھیں گے۔[۱]

قاعدہ ۵: جو راء وقف کے سبب ساکن ہو تو ظاہر بات ہے کہ اس میں قاعدہ (۲)، (۳) کے موافق اس سے پہلے والے حرف کو اور کبھی اس سے پہلے والے حرف کو دیکھ کر اس راء کو باریک یا پُر پڑھنا چاہیے، تو اس میں اتنی بات اور سمجھو کہ یہ پہلے والے حرفوں کو دیکھنا اس وقت ہے جب کہ وقف میں اس راء کو بالکل ساکن پڑھا جائے، جیسا کہ اکثر وقف کرنے کا عام طریقہ یہی ہے۔ لیکن وقف کا ایک اور طریقہ بھی ہے، جس میں وہ حرف جس پر وقف کیا ہے، بالکل ساکن نہیں کیا جاتا، بلکہ اس پر جو حرکت ہو اس کو بھی بہت خفیف سا ادا کیا جاتا ہے اور اسکو ''رَوم'' کہتے ہیں، یہ صرف زیر اور پیش میں ہوتا ہے، اس کا مفصّل بیان لمعہ (۱۳) میں اِن شاءاللہ تعالیٰ آئے گا۔ سو یہاں یہ بتلانا مقصود ہے کہ ایسی راء پر رَوم کیساتھ وقف کیا جائے تو پھر پہلے والے حرف کو نہ دیکھیں گے، بلکہ خود اس راء پر جو حرکت ہوگی اس کے موافق پُر یا باریک پڑھیں گے، جیسے: وَالْفَجْرِ پر اگر اس طرح سے وقف کریں تو راء کو باریک پڑھیں۔ اور مُنْتَصِرٌ پر اگر اس طرح وقف کریں تو راء کو پُر پڑھیں۔[۲]

نواں لمعہ

میم ساکن اور مشدّد کے قاعدوں میں

قاعدہ ۱: میــــم اگر مشدّد ہو تو اس میں غنّہ ضروری ہے، ''غنّہ'' کہتے ہیں ناک میں آواز لے جانے کو، جیسے: لَمَّا، اور اس حالت میں اس کو حرفِ غنّہ کہتے ہیں۔

---

[۱] وَلَا يُنْظَرُ إِلَى أَنَّهُ فِي الْأَصْلِ أَلِفٌ وَالرَّاءُ مَفْتُوحَةٌ وَحُكْمُ هٰذِهِ الرَّاءِ التَّفْخِيمُ.

[۲] کیونکہ راء موقوفہ میں جب رَوم کیا جائے گا تو اس کی حرکت میں اتنا ضعف ہوگا کہ صرف قریب والا سنے گا، لہٰذا جیسی حرکت ظاہر ہوگی ویسی ہی راء پڑھی جائے گی۔ (ابن ضیاء)

فائدہ: غنّہ کی مقدار ایک الف ہے، اور الف کی مقدار دریافت کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ کھلی ہوئی انگلی کو بند کرلے، یا بند انگلی کو کھول لے اور یہ محض ایک اندازہ ہے، باقی اصل دارومدار استاذ مَشّاق سے سننے پر ہے۔

قاعدہ۲: میم اگر ساکن ہو تو اس کے بعد دیکھنا چاہیے کیا حرف ہے، اگر اس کے بعد بھی میم ہے تو وہاں ادغام ہوگا یعنی دونوں میمیں ایک ہو جائیں گی اور مثل ایک میم مشدّد کے اس میں غنّہ ہوگا (حقیقة التجوید). جیسے: اِلَیۡکُمۡ مُّرۡسَلُوۡنَ. اور اس کو "ادغامِ صغیر مثلین" کہتے ہیں اور اگر میم ساکن کے بعد باء ہے تو وہاں غنّہ کے ساتھ اخفاء ہوگا اور اس اخفاء کا مطلب یہ ہے کہ اس میم کو ادا کرنے کے وقت دونوں ہونٹوں کے خشکی کے حصّہ کو بہت نرمی کے ساتھ ملا کر غنّہ کی صفت کو بقدر ایک الف بڑھا کر خیشوم سے ادا کیا جائے اور پھر اس کے بعد ہونٹوں کے کھلنے سے پہلے ہی دونوں ہونٹوں کے تری کے حصّہ کو سختی کے ساتھ ملا کر باء کو ادا کیا جائے (جهد المقل)۔ جیسے: مَنۡ یَّعۡتَصِمۡ بِاللّٰهِ اور اس کو "اخفاءِ شفوی" کہتے ہیں۔ اور اگر میم ساکن کے بعد میم اور باء کے سوا اور کوئی حرف ہو تو وہاں میم کا اظہار ہوگا، یعنی اپنے مخرج سے بلا غنّہ ظاہر کی جائے گی، جیسے: اَنۡعَمۡتَ، اور اس کو "اظہارِ شفوی" کہتے ہیں۔

تنبیہ: بعض حفّاظ اس اخفاء و اظہار میں باء، واؤ اور فا کا ایک ہی قاعدہ سمجھتے ہیں اور اس قاعدہ کا نام بوف کا قاعدہ رکھا ہے، یعنی بعض تو تینوں میں اخفاء کرتے ہیں، بعض تینوں میں اظہار کرتے ہیں اور بعض ان حرفوں کے پاس میم ساکن کو ایک گونہ حرکت دیتے ہیں، جیسے: عَلَیۡهِمۡ وَلَا الضَّآلِّیۡنَ، یَمُدُّهُمۡ فِیۡ. یہ سب خلافِ قاعدہ ہے، پہلا اور تیسرا قول تو بالکل ہی غلط ہے اور دوسرا قول ضعیف ہے۔ (درّة الفرید)

دسواں لمعہ
نون ساکن اور مشدّد کے قاعدوں میں

چھٹے لمعہ کے شروع میں لکھ چکا ہوں کہ تنوین بھی نون ساکن میں داخل ہے، وہاں پھر دیکھ لو، مگر ان قاعدوں میں نون ساکن کے ساتھ تنوین کا نام بھی آسانی کے لیے دیا جائے گا۔

قاعدہ ۱: نون اگر مشدّد ہو تو اس میں غنّہ ضروری ہے، اور مثل میم مشدّد کے اس کو بھی اس حالت میں حرفِ غنّہ کہیں گے۔ نویں لمعہ کا پہلا قاعدہ پھر دیکھ لو۔

قاعدہ ۲: نون ساکن اور تنوین کے بعد اگر حروف حلقی میں سے کوئی حرف آئے تو وہاں نون کا اظہار کریں گے، یعنی ناک میں آواز نہ لے جائیں گے، اور غنّہ بھی نہ کریں گے، جیسے: اَنْعَمْتَ، سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ وغیرہ، اس اظہار کو "اظہارِ حلقی" کہتے ہیں۔ حروفِ حلقیہ چھ ہیں جو اس شعر میں جمع ہیں ؎

حرف حلقی چھ سمجھ اے نورِ عین ہمزہ ہاء و حاء و خاء و عین و غین

چوتھے لمعہ میں مخرج ۱، ۲، ۳ اور ۴ کو پھر دیکھ لو، اور اظہار کا مطلب نویں لمعہ کے دوسرے قاعدہ میں پھر دیکھ لو۔

قاعدہ ۳: نون ساکن اور تنوین کے بعد اگر ان چھ حرفوں میں سے کوئی حرف آئے جس کا مجموعہ يَرْمَلُوْنَ ہے تو وہاں ادغام ہوگا، یعنی نون اسکے بعد والے حرف سے بدل کر دونوں ایک ہو جائیں گے، جیسے: مِنْ لَّدُنْهُ. دیکھو نون کو لام بنا کر دونوں لام کو ایک کر دیا۔ چنانچہ پڑھنے میں صرف لام آتا ہے، اگر چہ لکھنے میں نون بھی باقی ہے۔ مگر ان چھ حرفوں میں اتنا فرق ہے کہ ان میں سے چار حرفوں میں تو غنہ بھی رہتا ہے، اور یہ غنہ مثل نون مشدّد کے بڑھا کر پڑھا جاتا ہے۔ اُن چاروں کا مجموعہ يَنْمُوْ ہے، جیسے: مَنْ يُّؤْمِنُ، بَرْقٌ يَّجْعَلُوْنَ وغیر ذلک. اور اسکو "ادغام مع الغنّہ" کہتے ہیں۔

اور دو جورہ گئے یعنی راء، لام ان میں غنہ نہیں ہوتا، جیسے: مِنْ لَّدُنْهُ مثال اوپر گزری ہے، اس میں ناک میں ذرا بھی آواز نہیں جاتی، خالص لام کی طرح پڑھتے ہیں اور اسکو "ادغام بلا غنہ" کہتے ہیں۔ اور نویں لمعہ کے قاعدہ (۱،۲) میں غنہ وادغام کے معنی پھر دیکھ لو۔ مگر اس ادغام کی ایک شرط یہ ہے کہ یہ نون اور یہ حروف ایک کلمہ میں نہ ہوں ورنہ ادغام نہ کرینگے بلکہ اظہار کرینگے، جیسے: دُنْيَا، قِنْوَانٌ، صِنْوَانٌ، بُنْيَانٌ. اور تمام قرآن میں اس قاعدہ کے یہی چار لفظ پائے گئے ہیں۔ اور ان میں جو اظہار ہوتا ہے اسکو "اظہارِ مطلق" کہتے ہیں۔

قاعدہ ۴: نون ساکن اور تنوین کے بعد اگر حرف باء آئے تو اس نون ساکن اور تنوین کو میم سے بدل کر غنہ اور اخفاء کے ساتھ پڑھیں گے، جیسے: مِنْ م بَعْد، سَمِيعٌ م بَصِيرٌ. اور بعض قرآنوں میں آسانی کے لیے ایسے نون وتنوین کے بعد ننھی سی میم بھی لکھ دیتے ہیں (اس طرح مِنْ م بَعْد) اور اس بدلنے کو "اقلاب" اور "قلب" کہتے ہیں اور اس میم کے اخفاء کا مطلب اور ادا کرنے کا طریقہ بھی وہی ہے جو کہ اخفاءِ شفوی کا تھا۔ نویں لمعہ کا دوسرا قاعدہ پھر دیکھ لو۔

قاعدہ ۵: نون ساکن اور تنوین کے بعد اگر ان تیرہ حرفوں کے سوا جن کا ذکر قاعدہ ۲، ۳، ۴ میں ہو چکا ہے، اور کوئی حرف آئے، تو وہاں نون اور تنوین کو اخفاء اور غنہ کے ساتھ پڑھیں گے، اور وہ پندرہ حروف یہ[۱] ہیں: ت، ث، ج، د، ذ، ز، س، ش، ص، ض، ط،

---

[۱] حروفِ اخفاء ان اشعار میں جمع ہیں، ان کو یاد کرلو ۔

پندرہ حرفوں میں تم اخفاء کرو — مجھ سے سن لو ان کی تم تفصیل کو
تاء و ثاء و جیم و دال و ذال و زاء — سین و شین و صاد و ضاد و طاء و ظاء
فاء و قاف و کاف ہیں یہ پندرہ — اس کو اخفاءِ حقیقی ہے لکھا
(محمد عبداللہ)

ظ، ف، ق، ك. اور الف کواس لیے شمار نہیں کیا کہ وہ نون ساکن کے بعد نہیں آ سکتا (درّة الفرید) اور اس اخفاء[۱] کا مطلب یہ ہے کہ نون ساکن اور تنوین کو اُس کے مخرجِ اصلی (کنارۂ زبان اور تالو) سے علیحدہ رکھ کر اس کی آواز کو خیشوم میں چھپا کر اس طرح پڑھیں کہ نہ ادغام ہو نہ اظہار، بلکہ دونوں کے درمیانی حالت ہو، یعنی نہ تو اظہار کی طرح اس کے ادا میں زبان کا سرا تالو سے لگے، اور نہ ادغام کی طرح بعد والے حرف کے مخرج سے نکلے، بلکہ بدون دخل زبان کے اور بدون تشدید کے صرف خیشوم سے غنّہ کی صفت کو بقدر ایک الف کے باقی رکھ کر ادا کیا جائے[۲]۔ اور جب تک اخفاء کی مشق کسی ماہر استاذ سے میسّر نہ ہو اس وقت تک صرف غنّہ ہی کے ساتھ پڑھتا رہے کہ دونوں سننے میں ایک دوسرے کے مشابہ ہی ہیں، جیسے: اَنْذَرْتَهُمْ، قَوْمٍ ظَلَمُوْا وغیرہ۔ مگر پھر بھی آسانی کے لیے اس اخفاء کی ایک دو مثالیں اپنی بول چال کے لفظوں میں بتلا دیتا ہوں کہ کچھ تو سمجھ میں آ جائے۔ وہ مثالیں یہ ہیں: کنواں، کنول، منہ، اونٹ، بانس، سینگ۔ دیکھو ان لفظوں میں نــــون نہ تو اپنے مخرج سے نکلا اور نہ بعد والے حرف میں ادغام ہو گیا، اِس نون کے اخفاء کو ''اخفاءِ حقیقی'' کہتے ہیں۔ اور نون کے اظہار کو جس کا بیان دوسرے قاعدے میں ہوا ہے ''اظہارِ حلقی'' کہتے ہیں۔ اور جسکا

---

[۱] فِيْ حَقِيْقَةِ التَّجْوِيْد: فَالْإِخْفَاءُ حَالٌ بَيْنَ الْإِظْهَارِ وَالْإِدْغَامِ لَاتَشْدِيْدَ فِيْهِ؛ لِأَنَّهٗ لَيْسَ فِيْهِ إِدْغَامٌ كُلِّيٌّ وَلَاجُزْئِيٌّ، وَإِنَّمَا هُوَ أَنْ لَا تُظْهَرَ النُّوْنُ السَّاكِنَةُ عِنْدَ هٰذِهِ الْحُرُوْفِ، وَالْفَرْقُ بَيْنَ الْمَخْفِيِّ وَالْمُدْغَمِ أَنَّ الْمَخْفِيَّ مُخَفَّفٌ فِي الرَّسْمِ وَالتَّلَفُّظِ، وَمَخْرَجُهٗ مِنَ الْخَيْشُوْمِ وَمَخْرَجُ الْمُدْغَمِ مِنَ الْمُدْغَمِ فِيْهِ، إِلٰى اٰخِرِ مَا قَالَ. (ص ۲۲۰) قَوْلُهٗ: كُلِّيٌّ وَلَاجُزْئِيٌّ يَعْنِيْ بِهَا الْإِدْغَامُ التَّامُّ وَالنَّاقِصُ. (محمد یامین) [۲] پس جو لوگ نونِ مخفی کے ادا کرنے میں زبان کی نوک کو تالو سے لگاتے ہیں ان سے اخفاء ادا نہیں ہوتا، بلکہ وہ اخفاء کی جگہ اظہار کو اسکی مقدار معینہ سے بڑھا کر ادا کرتے ہیں، اسی طرح جو لوگ اسکے بعد والے حرف کے مخرج سے نکالتے ہیں ان سے بھی اخفاء ادا نہیں ہوتا بلکہ وہ اخفاء کی جگہ ادغام مع الغنہ یعنی ادغام ناقص کرتے ہیں۔ فَافْهَمْ وَتَأَمَّلْ. (محمد یامین)

بیان تیسرے قاعدے میں ہوا ہے ''اظہارِ مطلق'' کہتے ہیں۔جس طرح میم کے اخفاء واظہار کو ''شفوی'' کہتے تھے، جس کا بیان نویں لمعہ کے دوسرے قاعدہ میں گزرا ہے۔

گیارہوں لمعہ

الف، واؤاور یاء کے قاعدوں میں

جب کہ یہ ساکن ہوں اور الف سے پہلے والے حرف پر زبر ہواور واؤ ساکن سے پہلے پیش ہواور یاء ساکن سے پہلے زیر ہو، اوراس حالت میں ان کا نام مدّہ ہے، دیکھو لمعہ (۴) مخرج (۱) اور کھڑا زبراور کھڑی زیراور اُلٹا پیش بھی حروفِ مدّہ میں داخل ہے، کیونکہ کھڑا زبر الف مدّہ کی آواز دیتا ہے، کھڑی زیر یاءِ مدّہ کی، اور اُلٹا پیش واؤ مدّہ کی۔اب ان قواعد کے بیان میں ہم فقط لفظ مدّہ لکھیں گے، ہر جگہ اتنے لمبے نام کون لکھے۔

قاعدہ ۱: اگر حروفِ مدّہ کے بعد ھمزہ ہواور یہ حروفِ مدّہ اور ھمزہ دونوں ایک کلمہ میں ہوں تو وہاں اس مدّہ کو بڑھا کر پڑھیں گے، اوراس بڑھا کر پڑھنے کو ''مد'' کہتے ہیں، جیسے: سَوَآءٌ، سُوْٓءٌ، سِیْٓئَتْ. اوراس کا نام ''متّصل'' ہے اوراس کو ''مدِّ واجب[۱]'' بھی کہتے ہیں۔اور مقدار اس کی تین الف، یا چار الف ہے، اور الف کے اندازہ کرنے کا طریقہ نویں لمعہ کے قاعدہ (۱) کے فائدہ میں لکھا گیا ہے۔پس اس طریقہ کے موافق تین یا چار انگلیوں کو آگے پیچھے بند کر لینے سے یہ اندازہ حاصل ہو جائے گا، مگر یہ مقدار اس مقدار کے علاوہ ہے جو حروفِ مدّہ کی اصلی مقدار ہے، مثلاً جَآءَ میں اگر مد نہ ہوتا تو آخر الف کی بھی تو کچھ مقدار[۲] ہے، سواس مقدار کے علاوہ مد کرنے کی مقدار[۳] ہوگی۔

---

[۱] تُسَمّٰی بِالْوَاجِبِ؛ لِأَنَّ کُلَّ الْأَئِمَّةِ یُوْجِبُهٗ. (محمد یامین)

[۲] ایک زبر کو دونا (دُگنا) کرنے سے الف ہو جاتا ہے، جیسے قَتَلَ سے قَاتَلَ، پس الف کی مقدار ایک زبر کی دونی (دُگنی) ہے۔(ابن ضیاء) [۳] مثلاً چار الف والی مقدار میں ایک الف اصلی اور تین فرعی ہیں۔(ابن ضیاء)

قاعدہ۲: اگرحروفِ مدّہ کے بعد همزه ہواور یہ حرفِ مدّہ اور وہ همزه ایک کلمہ میں نہ ہوں، بلکہ ایک کلمہ کے اخیر میں تو حرفِ مدّہ ہواور دوسرے کلمہ کے شروع میں همزه ہو، وہاں بھی اس مدّہ کو بڑھا کر یعنی مد کے ساتھ پڑھیں گے، جیسے: اِنَّآ اَعۡطَيۡنٰكَ، الَّذِيۡٓ اَطۡعَمَهُمۡ، قَالُوۡٓا اٰمَنَّا. مگر یہ مد اس وقت ہوگا جب دونوں کلموں کو ملا کر پڑھیں، اور اگر کسی وجہ سے پہلے کلمہ پر وقف کر دیا تو پھر یہ مد نہ پڑھیں گے، اس مد کو "مدِّ منفصل" اور "مدِّ جائز"[۱] بھی کہتے ہیں اور اس کی مقدار بھی تین یا چار الف[۲] ہے، جیسے متّصل کی تھی۔ ان دونوں کی الگ الگ کسی کو پہچان[۳] نہ ہو تو فکر نہ کریں، کیونکہ دونوں ایک ہی طرح پڑھے جاتے ہیں۔

قاعدہ۳: اگر ایک کلمہ میں حرفِ مدّہ کے بعد کوئی حرف ساکن ہو جس کا سکون اصلی ہو، یعنی اس پر وقف کرنے کے سبب سے سکون نہ ہوا ہو، جیسے: آلۡـٰٔنَ. اس میں اوّل حرف همزه ہے، دوسرا حرف الف ہے اور وہ مدّہ ہے اور تیسرا حرف لام ساکن ہے، اور اس کا ساکن ہونا ظاہر ہے کہ وقف کے سبب سے نہیں ہے، چنانچہ اس پر وقف نہ کریں تب بھی ساکن ہی پڑھیں گے، تو ایسے مدّہ پر بھی مد ہوتا ہے اور اس کا نام "مدِّ لازم" ہے اور اس کی مقدار تین الف ہے اور ایسے مد کو "کلمی مخفّف" کہتے ہیں۔

قاعدہ۴: اگر ایک کلمہ میں حرفِ مدّہ کے بعد کوئی حرف مشدّد ہو، جیسے: ضَآلِّيۡنَ. اس میں الف تو مدّہ ہے اور اس کے بعد لام پر تشدید ہے، اس مدّہ پر بھی مد ہوتا ہے اور اس کا نام بھی "مدِّ لازم" ہے اور اسکی مقدار بھی تین الف ہے اور ایسے مد کو "کلمی مثقّل" کہتے ہیں۔

---

[۱] تُسَمّٰى بِالْجَائِزِ؛ لِاَنَّ بَعْضَ الْاَئِمَّةِ لَايُوْجِبُهٗ. [۲] یہ مقدار توسط کی ہے مدِّ منفصل میں قصر، توسط اور طول تینوں جائز ہیں جبکہ مدِّ متّصل میں صرف طول ہی ہوتا ہے، متّصل اور منفصل میں نہ طول ہے نہ قصر۔ (ابن ضیاء) [۳] مدِّ منفصل کی پہچان یہ ہے کہ حرفِ مد کے بعد همزه ہر جگہ الف کی صورت میں مرسوم ہوگا بجز هٰؤُلَاءِ کے۔ (ابن ضیاء)

قاعدہ ۵: بعض سورتوں کے اوّل میں جو بعض حروف الگ الگ پڑھے جاتے ہیں، جیسے سورۂ بقرہ کے شروع میں الٓمّٓ (الف، لام، میم) ان کو ''حروفِ مقطّعہ'' کہتے ہیں۔ان میں ایک تو خود الف ہے، اسکے متعلق تو یہاں کوئی قاعدہ نہیں، اور اسکے سوا جو اور حروف رہ گئے وہ دو طرح کے ہیں: ایک تو وہ جن میں تین حرف ہیں، جیسے: لام، میم، قاف، نون. اور ایک وہ جن میں دو حرف ہیں طا، ھا. سو جن میں دو حرف ہیں ان کے متعلق بھی یہاں کوئی قاعدہ نہیں، اور جن میں تین حرف ہیں اُن پر مد ہوتا ہے، اسکو بھی ''مَدِلازم'' کہتے ہیں اور اس کی مقدار بھی تین الف ہے، اور ایسے مد کو ''مَدِحرفی'' کہتے ہیں۔ پھر ان میں سے جن حروفِ مقطّعہ کے اخیر حرف پر پڑھنے کے وقت تشدید ہے انکے مد کو ''مَدِحرفی مثقّل'' کہتے ہیں۔ جیسے الٓمّٓ میں لام کو جب[1] میم کے ساتھ پڑھتے ہیں تو اس کے اخیر میں تشدید پیدا ہوتی ہے، اور جن میں تشدید نہیں ہے ان کے مد کو ''مَدِحرفی مخفّف'' کہتے ہیں، جیسے: الٓمّٓ میں میم کے اخیر میں تشدید نہیں ہے۔

تنبیہ ۱: تین حرفی مقطّعات میں، جن میں مد پڑھنا بتلایا گیا ہے، اکثر میں تو بیچ کا حرف مدّہ ہی ہے، جس کے بعد کہیں تو حرف ساکن ہے، جیسے میم میں یائے مدّہ ہے، اور اس کے بعد میم ساکن ہے، اور کہیں حرف مشدّد ہے، جیسے لام میں الف مدّہ ہے اور اس کے بعد میم مشدّد ہے اور مدّہ پر ایسے مواقع میں ہمیشہ مد ہوتا ہی ہے، تو ان میں تو مد ہونا عام قاعدہ کے موافق ہے۔ البتہ جن تین حرفی مقطّعات میں بیچ کا حرف مدّہ نہیں ہے، جیسے: کٓهٰيٰعٓصٓ میں عین ہے، وہاں مد ہونا اس عام قاعدے کے موافق نہیں ہے، اور اسی واسطے اگر مد نہ کریں تب بھی درست ہے، لیکن افضل یہی ہے کہ مد کریں اور اس کو ''مَدِلازم لین'' کہتے ہیں۔

[1] ایسے موقع پر قرآن مجید میں سب جگہ لام میم کے ساتھ ہی پڑھا جاتا ہے، پس یہ قید واقعی ہے نہ کہ احترازی۔ (محمد یامین)

تنبیہ۲: جو حروفِ مقطّعات اخیر میں ہیں اُن پر مد اُس وقت ہے جب اس پر وقف کریں اور اگر مابعد سے ملا کر پڑھیں[1] تو پھر مد کرنا، نہ کرنا دونوں جائز ہیں، جیسے سورۃ آل عمران میں الٓمّٓ کے میم کو اگر اللّٰه سے ملا کر پڑھیں تو مد کرنے نہ کرنے کا اختیار ہے۔

قاعدہ٦: اگر حرفِ مدّہ کے بعد کوئی حرف ساکن ہو جس کا سکون اصلی نہ ہو، یعنی اس پر وقف کرنے کے سبب سکون ہو گیا ہو (اور یہ ساکن مقابل ہے اس ساکن کا جو قاعدہ (۳) کے شروع میں مذکور ہوا ہے) تو اس مدّہ پر مد کرنا جائز ہے اور نہ کرنا بھی درست ہے لیکن کرنا بہتر ہے، جیسے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْن پر، اور اس کو ''مدِّ وقفی'' اور ''مدِّ عارض'' بھی کہتے ہیں، اور یہ مد تین الف کے برابر ہے اور اس کو ''طول'' بھی کہتے ہیں اور یہ بھی جائز ہے کہ دو الف کے برابر مد کریں اور اس کو ''توسّط'' کہتے ہیں، اور یہ بھی جائز ہے کہ بالکل مد نہ کریں، یعنی ایک ہی الف کے برابر پڑھیں کہ اس سے کم میں حرف ہی نہ رہے گا (آگے تنبیہ۳ دیکھو)، اس کو ''قصر'' کہتے ہیں۔ اور اس میں افضل طول ہے پھر توسط پھر قصر۔ اور یہ بھی یاد رکھو کہ ان تینوں میں سے جو طریقہ اختیار کرو، ختمِ تلاوت تک اسی کے موافق کرتے چلے جاؤ، ایسا نہ کرو کہ کہیں طول کہیں قصر کہ یہ بدنما ہے۔ اور یہ مد بھی ''مدِّ جائز'' کی ایک قسم ہے، اور جہاں خود حرفِ مدّہ پر وقف ہو وہاں یہ مد نہیں ہوتا، جیسے بعض لوگ غَفُوْراً، شَكُوْراً پر وقف کر کے مد کرتے ہیں، جو بالکل غلط ہے۔

تنبیہ۱: مدِّ عارض جس طرح حروفِ مدّہ پر جائز ہے اسی طرح حروفِ لین پر بھی جائز ہے، یعنی واؤ ساکن جس سے پہلے زبر ہو اور یائے ساکن جس سے پہلے زبر ہو، دیکھو لمعہ (۵)

[1] جب کہ سکونِ لازم کے بعد پھر کوئی ساکن حرف آنے سے پہلا حرفِ ساکن متحرک ہو جائے ورنہ مابعد حرکت ہوتے ہوئے وصل میں بھی مد کرنا ضروری ہے۔ (ابن ضیاء)

صفت (۱۳) جیسے: وَالصَّيْف پر یا مِنْ خَوْفٍ پر وقف کریں، اور جس طرح مدیعنی طول جائز ہے اسی طرح توسط اور قصر بھی، مگر اس میں افضل قصر ہے پھر توسط پھر طول، اور اس مد کو ''مدِ عارض لین'' کہتے ہیں۔

تنبیہ۲: حرفِ لین کے متعلق ایک قاعدہ لمعہ (۱۱) قاعدہ (۵) تنبیہ (۱) میں بھی گزرا ہے، دیکھ لو، کیونکہ وہاں حروفِ مقطّعہ میں سے جو عین[1] ہے اُس کی یاء حرفِ لین ہے۔

تنبیہ۳: یہاں تک جتنی قسمیں مد کی مذکور ہوئیں یہ سب ''مدِ فرعی'' کہلاتی ہیں، یعنی چونکہ اصل حرف سے زائد ہیں اور ایک مد اصلی ہے اور اس کو ''ذاتی'' اور ''طبعی'' بھی کہتے ہیں، یعنی الف اور واؤ اور یاء کی اتنی مقدار کہ اگر اس سے کم پڑھیں تو وہ حرف ہی نہ رہے، بلکہ زبر یا پیش یا زیر رہ جائے، اور اس کے متعلق کوئی قاعدہ نہیں ہے۔

قاعدہ ۷: یہ قاعدہ حرفِ مدّہ میں سے صرف الف کے متعلق ہے، وہ یہ کہ الف خود باریک پڑھا جاتا ہے، لیکن اس سے پہلے اگر کوئی حرف پُر ہو، یعنی یا تو حروفِ مستعلیہ میں سے کوئی حرف ہو، جن کا بیان لمعہ (۵) صفت (۵) میں گزر چکا ہے، یا حرفِ راء ہو جو کہ مفتوح ہونے سے پُر ہو جائے گی، یا پُر لام ہو، جیسے لفظِ اللّٰه کا لام ہے جب کہ اس سے پہلے زبر یا پیش ہو تو ان صورتوں میں الف[2] کو بھی موٹا پڑھیں گے۔

اور جاننا چاہیے کہ ان حرفوں کے پُر ہونے میں بھی تفاوت ہے۔ تو ویسا ہی تفاوت اس الف کے پُر ہونے میں بھی ہوگا جو ان حرفوں کے بعد آیا ہے۔ سو سب سے زیادہ تو اسم اللّٰه کا لام ہے، اس کے بعد طاء، اس کے بعد صاد اور ضاد، انکے بعد ظاء،

---

[1] مثل حٰمٓ عٓسٓقٓ کا عین اس کو مدِّ لازم لین کہتے ہیں، اس میں طول اولیٰ اور قصر ضعیف ہے۔ (ابن ضیاء)

[2] جاننا چاہیے کہ واؤ مدہ کا بھی یہی حکم ہے جو یہاں پر الف کا بیان کیا گیا ہے، عند صاحب جهد المقل اور یہ بھی معمول بہ قراء کا ہے، جیسے: وَالطُّوْرِ میں واوِ ثانی پُر پڑھی جاتی ہے۔ (محمد یامین)

اس کے بعد قاف، اس کے بعد غین اور خا، ان کے بعد را۔ (حقیقۃ التجوید[1]: ص ۲۹)

بارہواں لمعہ
ہمزہ کے قاعدوں میں

اس کے بعض قاعدے تو بدون عربی پڑھے سمجھ میں نہیں آسکتے، اس لیے صرف دو موقع کے قاعدے لکھ دیتا ہوں کہ سب قرآن پڑھنے والوں کو اس کی ضرورت ہے۔

قاعدہ ۱: چوبیسویں پارے کے ختم کے قریب ایک آیت[2] میں یہ آیا ہے ءَ اَعْجَمِیٌّ، سو اسکا دوسرا همزہ ذرا نرم کرکے پڑھو، اس کو "تسہیل" کہتے ہیں۔

قاعدہ ۲: سورۂ حجرات کے دوسرے رکوع[3] میں یہ آیا ہے: بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ، سو اس کو اس طرح پڑھو کہ بِئْسَ کے سین پر تو زبر پڑھو، اور اس کے بعد کے کسی حرف سے نہ ملاؤ، پھر لام جو اس کے بعد لکھا ہے اس کو زیر دے کر بعد کے سین سے ملا دو، پھر میم کو اگلے لام سے ملا دو۔ خلاصہ یہ ہے کہ الِاسْمُ کے لام سے آگے پیچھے جو دو همزہ بشکل الف لکھے ہیں، ان کو بالکل مت پڑھو[4]۔

تیرہواں لمعہ
وقف کرنے یعنی کسی کلمہ پر ٹھہرنے کے قواعد میں

اصل فنِ تجوید تو مخارج اور صفات کی بحث ہے، جو بفضلہ تعالیٰ بقدرِ ضرورت اوپر لکھی گئی، باقی اور تین علم اس فن کی تکمیل ہیں: علمِ اوقاف، علمِ قرأت، علمِ رسم خط۔ چنانچہ علمِ اوقاف کی ایک بحث[5] وقف کرنے کے قواعد ہیں۔

---

[1] وَفِيهَا: فَإِذَا وَقَعَ بَعْدَهَا (أَيِ الحُرُوفُ المُفَخَّمَة) أَلِفٌ فُخِّمَ الْأَلِفُ؛ لِأَنَّهُ تَابِعٌ لِمَا قَبْلَهَا، بِخِلَافِ أُخْتَيْهَا فَإِنَّهُ إِذَا وَقَعَ بَعْدَهَا وَاوٌ وَ يَاءٌ فَلَا يُؤَثِّر تَفْخِيْمُهَا فِيهِمَا. الخ [2] سورۂ حم سجدہ:۴۴
[3] سورۃ الحجرات:۱۱ [4] بِئْسَ لِسْمُ. [5] والْبَحْثُ الأخَرُ أَقْسَامُ الْوَقْفِ مِنَ الْحَسَنِ والْقَبِيْحِ والتَّامِ وَغَيره (جهد المقل) لَمْ أَذْكُرْهُ كَالْبَاقِيِيْن؛ لِأَنَّهَا لَا يَتَعَلَّقُ بالتَّجْوِيد.

قاعدہ ۱۵: جو شخص معنی نہ سمجھتا ہو اس کو چاہیے کہ انہیں مواقع پر وقف کرے جہاں قرآن کریم میں نشان بنا ہوا ہے، بلا ضرورت بیچ میں نہ ٹھہرے، البتہ اگر بیچ میں سانس ٹوٹ جائے تو مجبوری ہے، پھر اگر مجبوری سے ایسا ہو تو چاہیے کہ جس کلمہ پر ٹھہر گیا تھا اس سے یا اوپر سے پھر لوٹا کر اور مابعد سے ملا کر پڑھے، اور اس کا سمجھنا کہ اسی کلمے سے پڑھوں یا اوپر سے، بدون معنی سمجھے ہوئے مشکل ہے۔ جب تک معنی سمجھنے کی لیاقت نہ ہو شبہ کے موقع میں کسی عالم سے پوچھ لے، اور ایسی مجبوری کے وقف میں ایک اس کا خیال رہے کہ کلمہ کے بیچ میں وقف نہ کرے، بلکہ کلمہ کے ختم پر ٹھہرے، اور یہ بھی جان لو کہ وقف کرنا حرکت پر غلط ہے، جیسا اکثر لوگ کرتے ہیں۔ مثلاً کسی شخص کا سانس سورۂ بقرہ کے شروع میں بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ کے کاف پر ٹوٹ گیا تو اس وقت کاف کو ساکن کر دینا چاہیے، زبر کے ساتھ وقف نہ کریں۔ اسی طرح بے سانس توڑے وقف نہیں ہوتا، جیسا بعض لوگ آیت کے ختم پر ساکن حرف پڑھتے ہیں اور بے سانس توڑے دوسری آیت شروع کر دیتے ہیں، یہ بھی بے قاعدہ ہے۔ اور یہ بھی یاد رکھو کہ ایسی مجبوری میں جس کسی کلمہ پر وقف کرو تو وہ کلمہ جس طرح لکھا ہے اسی کے موافق وقف کرو، اگرچہ وہ دوسری طرح پڑھا جاتا ہو، پڑھنے کے موافق وقف نہ کریں گے۔ مثلاً اَنَا میں جو الف، نون کے بعد ہے وہ ویسے تو پڑھنے میں نہیں آتا، لیکن گر اس کلمہ پر وقف کیا جائے گا تو پھر اُس الف کو بھی پڑھیں گے اور پھر جب اُس کلمہ کو لوٹائیں گے تو اس وقت چونکہ مابعد سے ملا کر پڑھیں گے، اس لیے یہ الف نہ پڑھا جائے گا۔ ان باتوں کو خوب سمجھ لو اور یاد رکھو، اس میں بڑے بڑے حافظ بھی غلطی کرتے ہیں۔

تنبیہ: قاعدۂ مذکورہ کے اخیر میں جو لکھا گیا ہے کہ وہ کلمہ جس طرح لکھا ہے اس کے موافق ٹھہرو، اس قاعدہ سے یہ الفاظ مستثنیٰ ہیں: اَوْ يَعْفُوَاْ سورۃ البقرہ: ۲۳۷ میں، اَنْ تَبُوْٓءَ اْ

سورۃ المائدہ:۲۹ میں، لِتَتْلُوَاْ سورۃ الرعد:۳۰ میں، لَنْ نَّدْعُوَاْ سورۃ الکہف:۱۴ میں، لِيَرْبُوَاْ سورۃ الروم:۳۹ میں، لِيَبْلُوَاْ سورۃ محمد:۴ میں، نَبْلُوَاْ سورۃ محمد:۳۱ میں، ثَمُوْدَاْ چار جگہ: سورۃ ھود:۶۸، سورۃ الفرقان:۳۸، سورۃ العنکبوت:۳۸، سورۃ النجم:۵۱ میں اور دوسرا قَوَارِيْرَاْ سورۃ الدھر:۱۶ میں۔ اِن سب الفاظ میں الف کسی حال میں نہیں پڑھا جاتا، نہ وصل میں نہ وقف میں، اور لفظ لٰـكِنَّاْ خاص سورۃ الکہف:۳۸ میں اور الظُّنُوْنَا اور الرَّسُوْلَا اور السَّبِيْلَا یہ تینوں سورۃ الاحزاب:۱۰، ۶۶، ۶۷ میں اور سَلٰسِلَاْ اور پہلا قَوَارِيْرَا یہ دونوں سورۃ الدھر:۴، ۱۵ میں اور لفظ اَنَا جہاں کہیں آئے تمام قرآن میں، ان تمام لفظوں میں بحالتِ وصل الف نہیں پڑھا جاتا، اور حالتِ وقف میں الف پڑھا جاتا ہے۔ مگر خاص لفظِ سَلٰسِلَاْ کو حالتِ وقف میں بدون الف پڑھنا بھی مروی ہے یعنی سَلَا سِلْ.

قاعدہ۲: جس کلمہ پر وقف کیا ہے اگر وہ ساکن ہے تب تو اس میں کوئی بات بتلانے کی نہیں اور اگر وہ متحرک[1] ہے تو اس پر وقف کرنے کے تین طریقے ہیں: ایک تو یہی جو سب جانتے ہیں کہ اس کو ساکن کر دیا جائے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اس پر جو حرکت ہے اس کو بہت خفیف سا ظاہر کیا جائے، اس کو ''رَوم'' کہا جاتا ہے۔ اور انداز اس حرکت کا تہائی حصّہ ہے، اور یہ زبر میں نہیں ہوتا، صرف زیر اور پیش میں ہوتا ہے، جیسے: بِسْمِ اللّٰهِ کے ختم پر میم پر سے بہت ذرا سا زیر پڑھ دیا جائے کہ جس کو بہت پاس والا سن سکے، یا نَسْتَعِيْنُ کے نون پر ایسا ہی ذرا سا پیش پڑھ دیا جائے اور رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کے نون پر چونکہ زبر ہے، یہاں ایسا نہ کریں گے۔ تیسرا طریقہ یہ ہے کہ اس حرکت کا اشارہ صرف ہونٹوں سے کر دیا جائے، یعنی پڑھا بالکل نہ جائے بلکہ اس حرکت کے ظاہر پڑھنے کے

[1] یعنی متحرک بحرکت اصلیہ کیونکہ جہاں حرکت عارضی ہو اس کا یہ حکم نہیں ہے جیسا کہ قاعدہ ۵ میں آئے گا۔ (محمد یامین)

وقت ہونٹ جس طرح بن جاتے ہیں اسی طرح ہونٹوں کو بنایا جائے اور اس حرف کو بالکل ساکن ہی پڑھا جائے، یہ ''اشمام'' کہلاتا ہے اور اس کو پاس والا بھی نہیں سن سکتا، کیونکہ اس میں حرکت زبان سے تو ادا ہوئی نہیں، البتہ آنکھوں والا پڑھنے والے کے ہونٹ دیکھ کر پہچان سکتا ہے کہ اس نے اشمام کیا ہے۔ اور اشمام صرف پیش میں ہوتا ہے، اور زبر زیر میں نہیں ہوتا۔ مثلاً نَسْتَعِیْنُ کے نون پر پیش ہے، اس پیش کو پڑھا تو بالکل نہیں، نون کو بالکل ساکن پڑھا، مگر ہونٹوں کو نون ادا کرنے کے وقت ایسا بنا دیا جیسا پیش پڑھنے کے وقت بن جاتے ہیں یعنی ذرا چونچ سی بنا دی۔

قاعدہ ۳: جس کلمہ کے آخر میں تنوین ہو وہاں بھی رَوم جائز ہے، مگر حرکت ظاہر کرنے کے وقت تنوین کا کوئی حصہ ظاہر نہ کیا جائے گا۔ (تعلیم الوقف: قاری عبداللہ صاحب مکّی رحمۃ اللہ علیہ)

قاعدہ ۴: تاء جو کہ ''ہ'' کی شکل میں گول لکھی جاتی ہے، مگر اس پر نقطے بھی دیے جاتے ہیں اگر ایسی تاء پر وقف ہو، تو وہاں دو باتوں کا خیال رکھو: ایک تو یہ کہ اس کو ''ہ'' کے طور پر پڑھو، دوسرے یہ کہ وہاں رَوم اور اشمام مت کرو۔ (تعلیم الوقف)

قاعدہ ۵: رَوم اور اشمام حرکتِ عارضی پر نہیں ہوتا ہے، جیسے: وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ میں کوئی شخص وَلَقَد پر وقف کرنے لگے تو دال کو ساکن پڑھنا چاہیے اس کے زیر میں روم نہ کریں، کیونکہ عارضی ہے (تعلیم الوقف) اور اس کو بھی عربی دان ہی جان سکتے ہیں۔ تم کو جہاں جہاں شبہ ہو کسی عالم سے پوچھ لو۔

قاعدہ ۶: جس کلمہ پر وقف کرو اگر اس کے اخیر حرف پر تشدید ہو تو رَوم اور اشمام میں تشدید بدستور باقی رہے گی۔ (تعلیم الوقف)

قاعدہ ۷: جس کلمہ پر وقف کیا جائے اگر اس کے اخیر حرف پر زبر کی تنوین ہو، تو حالتِ وقف میں اس تنوین کو الف سے بدل دیں گے، جیسے کسی نے فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً پر وقف کیا تو اس

طرح پڑھیں گے: نِسَآءً ج

قاعدہ۸: جس مدِّوقفی کا بیان گیارھویں لمعہ کے قاعدہ (۶) میں ہوا ہے، اگر رَوم کے ساتھ وقف کیا جائے اس وقت وہ مد نہ ہوگا۔ مثلاً اَلرَّحِیْمُ یا نَسْتَعِیْنُ میں اگر پیش یا زیر کا ذرا سا حصّہ ظاہر کردیں تو پھر مد نہ کریں گے۔ (تعلیم الوقف)

چودھواں لمعہ
فوائدمتفرّقہ ضروریہ کے بیان میں

اور گو ان میں سے بعض بعض فوائد اوپر بھی معلوم ہو گئے ہیں مگر چونکہ دوسرے مضامین کے ذیل میں بیان ہوئے تھے، شاید خیال نہ رہے۔ اس لیے اُن کو پھر لکھ دیا اور زیادہ تر نئے فائدے ہیں۔

فائدہ۱: سورۂ کہف کے پانچویں رکوع[۱] میں ہے لٰكِنَّاْ هُوَ اللّٰهُ یعنی لٰكِنَّاْ میں الف لکھا ہے مگر یہ پڑھا نہیں جاتا، البتہ اگر اس پر کوئی وقف کرے تو اس وقت پڑھا جائے گا۔

فائدہ۲: سورۂ دہر کے شروع[۲] میں سَلٰسِلَاْ یعنی دوسرے لام کے بعد بھی الف لکھا تو ہے مگر یہ بھی پڑھا نہیں جاتا، البتہ وقف کی حالت میں الف کا پڑھنا اور نہ پڑھنا دونوں طرح درست ہے اور پہلے لام کے بعد جو الف لکھا ہے وہ ہر حال میں پڑھا جاتا ہے۔

فائدہ۳: اسی سورۂ دہر میں وسط[۳] کے قریب قَوَارِيْرَاْ ۝ قَوَارِيْرَاْ دو دفعہ ہے، اور دونوں کے اخیر میں الف لکھا ہے، سو انکا قاعدہ یہ ہے کہ دوسری جگہ تو کسی حال میں الف نہیں پڑھا جائیگا، خواہ وقف ہو یا نہ ہو، اور پہلی جگہ اگر وقف کرو تو الف پڑھا جائیگا اور وقف نہ کرو تو الف نہیں پڑھا جائیگا۔ اور زیادہ عادت یہ ہے کہ پہلی جگہ کو وقف کرتے ہیں، دوسری جگہ نہیں کرتے۔ تو اس صورت میں پہلی جگہ الف پڑھو، دوسری جگہ مت پڑھو۔

[۱] سورۃ الکہف:۳۸ [۲] سورۃ الدھر:۴ [۳] سورۃ الدھر:۱۵، ۱۶

فائدہ۴: قرآن میں ایک جگہ امالہ ہے یعنی سورۃ ھود میں جو بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا ہے اس کا بیان لمعہ (۸) قاعدہ (۴) میں دیکھ لو۔

فائدہ۵: سورۃ حٰم سجدہ میں ایک تسہیل ہے ءَ اَعْجَمِىٌّ، اس کا بیان بارہویں لمعہ کے قاعدہ (۱) میں گزرا ہے، دیکھ لو۔

فائدہ۶: سورۂ حجرات میں بِئْسَ الاِسْمُ میں الْاِسْمُ کا همزہ نہیں پڑھا جاتا، بلکہ اس کے لام کو اس کے سین سے ملا دیتے ہیں اس کا بیان بھی بارہویں لمعہ کے قاعدہ (۲) میں گزرا ہے۔

فائدہ۷: لَئِنْ بَسَطْتَّ[1] اور اَحَطْتُّ[2] اور مَافَرَّطْتُّمْ[3] اور مَافَرَّطْتُّ[4] میں ادغام ناتمام ہوتا ہے، یعنی طاء کو تاء کے ساتھ ملا کر مشدّد کر کے اس طرح پڑھا جائے کہ طاء اپنی صفت استعلاء واطباق کے ساتھ بدون قلقلہ کے پُرادا ہو اور تاء باریک ادا ہو، اور اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ[5] میں بہتر یہی[6] ہے کہ پورا ادغام کیا جائے، یعنی قاف بالکل نہ پڑھا جائے، بلکہ قاف کا کاف سے بدل کر اور دونوں کو ملا کر مشدّد کر کے پڑھا جائے۔

فائدہ۸: نٓ وَالْقَلَمِ اور یٰسٓ ۞ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ میں نون اور سین کے بعد جو واؤ ہے، یَرْمَلُوْنَ کے قاعدہ کے موافق جس کا ذکر دسویں لمعہ کے قاعدہ (۳) میں آچکا ہے، اس واؤ میں ادغام ہونا چاہیے، مگر ادغام نہیں کیا جاتا[7]۔

فائدہ۹: سورۃ یوسف کے دوسرے رکوع میں ہے لَاتَاْمَنَّا[8]، اس میں نون پر اشمام کیا کرو۔

---

[1] سورۃ المائدہ:۲۸ [2] سورۃ النمل:۲۲ [3] سورۃ یوسف:۸۰

[4] سورۃ الزمر:۵۶ [5] سورۃ المرسلات:۲۰

[6] وَيَجُوْزُ النَّاقِصُ اَيْضًا وَهُوَ اَنْ يَبْقٰى بَعْضُ صِفَاتِ الْمُدْغَمِ. [7] عِنْدَ حَفْصٍ رحمہ اللہ.

[8] اِخْتِيَارُه؛ لِأَنَّه سَهْلٌ عَلَى الأَطْفَالِ، وَيَجُوْزُ الرَّوْمُ أَيْضاً: لَاتَاْمَنُنَا ولايَجُوْزُ الْاِدْغَامُ الْمَحْضُ. كَمَا لاَ يَجُوْزُ الإِظْهَارُ الْمَحْضُ. (محمد یامین)

فائدہ۱۰: قرآن مجید میں کہیں کہیں ''سکتہ'' لکھا ہوا پاؤ گے، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہاں ذرا ٹھہر جاؤ مگر سانس مت توڑو اور باقی سب قاعدے اس میں وقف کے جاری ہوں گے۔ مثلاً سورۂ قیامہ میں ہے مَنْ سکتہ رَاقٍ○ تو یَـرْمَـلُوْنَ کے موافق مَنْ کے نون کا ''ر'' میں ادغام ہو جاتا ہے مگر ادغام نہیں ہوا، کیونکہ جب سکتہ کو بجائے وقف کے سمجھا تو گویا نــون اور راء میں اتصال نہیں رہا اس لیے ادغام نہیں ہوا۔ اسی طرح سورۂ کہف میں ہے عِوَجـاً ط سکتہ○ قَيِّماً. تو اگر عِوَجاً پر وقف نہ کریں اور مابعد سے ملا کر پڑھیں تو اخفاء نہیں ہوگا، بلکہ زبر کی تنوین کو الف سے بدل کر سکتہ کیا جائے گا۔ اور تمام قرآن شریف میں حفص کی روایت میں کل سکتے چار ہیں: ایک سورۂ قیامہ میں، دوسرا سورۂ کہف میں جو کہ مذکور ہوئے، تیسرا سورۂ یٰس میں مِــنْ مَّـرْقَـدِنَـا سکتہ کے الف پر جب کہ مابعد سے ملا کر پڑھا جائے، چوتھا سورۂ مطففین میں كَلَّا بَلْ سکتہ کے لامِ ساکن پر، بس ان کے علاوہ قرآن میں کہیں سکتہ نہیں۔

فائدہ۱۱: قرآن میں جہاں پیش آئے اس کو واؤ معروف کی سی بُو دے کر پڑھو، اور جہاں زیر آئے اس کو یائے معروف کی سی بُو دے کر پڑھو۔ ہمارے ملک میں پیش کو ایسا پڑھتے ہیں کہ اگر اس کو بڑھا دیا جائے تو واؤ مجہول پیدا ہوتی ہے، اور زیر کو ایسا پڑھتے ہیں کہ اگر اس کو بڑھا دو تو یائے مجہول پیدا ہوتی ہے۔ تو یہ بات عربی زبان کے خلاف ہے، ایسا مت کرو، بلکہ پیش کو ایسا پڑھو کہ اگر اس کو بڑھا دیا جائے تو واؤ معروف پیدا ہو اور زیر کو ایسا پڑھو کہ اگر اس کو بڑھا دیا جائے تو یائے معروف پیدا ہو، اور زیر اور پیش کے اس طرح ادا ہونے کو ماہر استاذ سے سن لو، لکھا ہوا دیکھنے سے سمجھ میں شاید نہ آیا ہو۔

فائدہ۱۲: جب واؤ مشدّد یا یاءِ مشدّد پر وقف ہو تو ذرا سختی سے تشدید کو بڑھانا چاہیے تاکہ تشدید باقی رہے، جیسے: عَدُوٌّ ط اور عَلَى النَّبِيِّ ط

فائدہ ۱۳: سورۂ یوسف میں ہے لَیَکُوْناً مِّنَ الصَّاغِرِیْنَ. اورسورۂ اقرأ میں ہے لَنَسْفَعاً م بِالنَّاصِیَۃِ۔ اگر لَیَکُوْنًا اور لَنَسْفَعاً پر وقف کرو تو الف[1] سے پڑھو، یعنی تنوین مت پڑھو۔

فائدہ ۱۴: چار لفظ قرآن مجید میں ہیں کہ لکھے تو جاتے ہیں صاد سے اور اس صاد پر چھوٹا سا "س" بھی لکھ دیتے ہیں، اس کا قاعدہ سمجھ لو ایک تو سورۂ بقرہ (۲۴۵) میں یَقْبِضُ وَیَبْصُّطُ۔ دوسرا سورۂ اعراف (۶۹) میں فِی الْخَلْقِ بَصْۜطَۃً۔ ان دونوں جگہ میں "س" پڑھو۔ تیسرا سورۂ طور (۳۷) میں اَمْ ھُمُ الْمُصَۜیْطِرُوْنَ، اس میں چاہے "س" پڑھو، چاہے صاد پڑھو۔ چوتھا سورۂ غاشیہ (۲۲) میں بِمُصَّیْطِرٍ، اس میں صاد پڑھو۔

فائدہ ۱۵: کئی مواقع قرآن مجید میں ایسے ہیں کہ لکھا ہوا تو ہے لا اور پڑھا جاتا ہے لَ، پڑھتے وقت اُنکا بہت خیال رکھو۔ ایک سورۂ آل عمران (۱۵۸) میں لَا اِلَی اللّٰہِ تُحْشَرُوْنَ، دوسرا سورۂ توبہ (۴۷) میں وَلَا اَوْضَعُوْا، تیسرا سورۂ نمل (۲۱) میں اَوْلَا اَذْبَحَنَّہٗ، چوتھا سورۂ والصّٰفّٰت (۶۸) میں لَا اِلَی الْجَحِیْمِ، پانچواں سورۂ حشر (۱۳) میں لَا اَنْتُمْ اَشَدُّ. اسی طرح سورۂ آل عمران پندرہویں رکوع میں لکھا ہوا ہے اَفَائِنْ، اور پڑھا جاتا ہے اَفَئِنْ۔ اور چند مقامات میں لکھا ہوا ہے مَلَائِہٖ، اور پڑھا جاتا ہے مَلَئِہٖ. اور سورۂ کہف کے چوتھے رکوع میں لکھا ہے لِشَائْیءٍ اور پڑھا جاتا ہے لِشَیْءٍ، اور بعض جگہ لکھا ہوا ہے نَبَائِ اور پڑھا جاتا ہے نَبَأِ.

تنبیہ: مذکورہ قاعدے اکثر تو وہ ہیں جن میں کسی کا اختلاف نہیں اور جن میں اختلاف

[1] وَاِنْ کَانَ خِلَافُ الْقِیَاسِ لِأَنَّھَا نُوْنٌ خَفِیْفَۃٌ لٰکِنَّ الْوَقْفَ یَکُوْنُ تَابِعاً لِلرَّسْمِ. وَھٰذِہِ الْقَاعِدَۃُ اَکْثَرِیَّۃٌ لَاکُلِّیَّۃٌ: فَإِنَّ ثَمُوْدَا بِالْأَلِفِ إِذَا وُقِفَ عَلَیْہِ لَایَکُوْنُ وَقْفُہٗ تَابِعاً لِلرَّسْمِ. (قاری محمد یامین)

ہے ان میں سے میں نے امام حفص بن سلیمان الأسدی الکوفی رحمہ اللہ کے قواعد لکھے ہیں، جن کی روایت کے موافق ہم لوگ قرآن مجید پڑھتے ہیں، اور انہوں نے قرآن مجید حاصل کیا ہے امام عاصم رحمہ اللہ تابعی سے، اور انہوں نے زِرّ بن حُبَیش[1] اَسدی رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن حبیب سلمیٰ رضی اللہ عنہ سے، اور انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت اُبَیّ بن کعب رضی اللہ عنہ سے اور ان سب حضرات نے جنابِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے۔

خاتمہ: چاند کا پورا لمعہ بھی چودھویں رات کو ہوتا ہے اور یہاں بھی چودھویں لمعہ کے ختم پر سب مضامین پورے ہو گئے، اس لیے یہاں پہنچ کر رسالہ کو ختم کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس کو نافع اور مقبول فرمائے! طالب علموں سے خصوصاً بچوں سے خصوصاً قدوسیوں سے رضائے مولیٰ کی دعا کا طالب ہوں۔

(حضرت مولانا) اشرف علی عفی عنہ

۵/صفر ۱۳۳۴ھ

---

[1] زرّ بالکسر وشدّتِ راء، وحبیش بالضم وفتح ثانی وسکونِ ثالث مصغّر، کما في المغني والتقریب. (زینت الفرقان)